تیسرا رنگ
بوٹا لوہار
عبد القیوم شاد
سیف الملوک عباسی ۔ محمد نعمان ۔
عقیل قریشی ۔ صائم بھائی
محمد سجاد بھٹی
جاسوسی ڈائجسٹ : فروری 1991

بوٹا لوہار

عبدالقیوم شاد

اس دور کا انسان سرکش، ناشکرا اور خود غرض ہوتا جا رہا ہے۔ وہ قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کو تکبر اور نمود و نمائش کے لیے استعمال کرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ وہ یہ نعمتیں واپس بھی لے سکتا ہے۔ وہ اکڑ کر زمین پر چلتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ خدا اس سے پاؤں واپس بھی لے سکتا ہے۔ وہ اپنی زبان دوسروں کے خلاف چلاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ زبان دینے والا اس کی قوت گویائی بھی چھین سکتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو ظلم اور استحصال کے لیے دراز کرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ دینے والے کا ہاتھ زیادہ زورآور ہے۔ وہ ظالم کے ہاتھوں کو کاٹ کر پھینک دیا کرتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ بعض سرکشوں کو خدا ڈھیل دیے دیتا ہے، انہیں جلد کیوں نہیں پکڑتا؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا بعض ظالموں پر بعض ظالموں کو مسلط کر دیتا ہے۔ بعض سرکشوں کو منافقوں اور ریاکاروں پر کتوں کی طرح چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ انہیں کاٹتے اور بھنبھوڑتے رہیں۔ نادان اور سرکشوں پر لعن طعن کرتا اور اپنی ساری طاقت انہیں برا ثابت کرنے پر صرف کر دیتا ہے لیکن دانا جب اپنے اوپر ظلم ہوتے دیکھتا ہے تو پہلے اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا اور اپنے نفس کے شیطان کو لگام دیتا ہے۔ باہر کے شیطانوں پر بعد میں لاحول بھیجتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے ظالم و جابر حکمران عوام کو عوام پر ظلم کے لیے استعمال کرتے آرہے ہیں۔ مضبوط و توانا غریب اس بندوق کی طرح ہوتے ہیں جن کا ریموٹ کنٹرول ظالم امراء کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ غریبوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ رئیسوں اور جاگیرداروں کے اس حربے کو آج تک نہیں توڑ سکے۔
بوٹا ایک غریب لوہار تھا۔ اس پر ظلم ہوا تو اس نے بڑے ظالموں سے دوستی کرلی اور اپنے ہی بھائی بندوں کے لیے قہر بن گیا۔ اس نے احمق اور فلمی ڈاکوؤں کی طرح کہا کہ اسے ظالم معاشرے نے ڈاکو بنا دیا ہے حالانکہ وہ اگر صبر اور انتظار کرتا تو اس کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔ عبدالقیوم شاد ایک بار پھر نیا موضوع اور عبرت و نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں

ایک آہن گر کا احوال جس نے لوہا کوٹنے کے بجائے عوام کو کوٹنا شروع کر دیا تھا

اس حسین لڑکی کی کہانی جس کی ایک چھوٹی سی لغزش نے اسے منزل سے دور پھینک دیا

باپ کی وفات تک بوٹا لوہار ایک سیدھا اور مست آدمی تھا۔ وہ دن بھر گرم لوہا کوٹتا، پیٹ بھر کر کھانا کھاتا اور رات کو لمبی تان کر سوجاتا۔ وہ اتنا سیدھا تھا کہ اگر کوئی اس کو تھپڑ بھی مار دیتا تو وہ ہنستا رہتا۔ یہی سمجھتا کہ اگلے نے پیار میں تھپڑ مارا ہے۔ وہ دس سال کی عمر سے لوہا کوٹ رہا تھا اور اب تیس سال کی عمر میں اس کا جسم لوہے کی طرح سخت ہو چکا تھا۔

باپ کی زندگی میں اس نے ضروریاتِ زندگی کے بارے میں کبھی سوچا تک نہیں تھا۔ اسے پہننے کو کپڑا، کھانے کو روٹی اور سونے کے لئے بستر میسّر تھا۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ پیسہ کمانے کے لئے باپ کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے اور ضرورت کی چیزیں کہاں سے آتی تھیں۔ اس کی دو بہنیں تھیں جن کی شادی ہو چکی تھی۔ لیکن وہ کنوارا تھا۔ باپ نے کئی بار اس کی شادی کی کوشش کی مگر اس نے ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا ”میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔ مجھے شرم آتی ہے“ تیس سال کا ہونے کے باوجود وہ اندر سے بچّہ تھا۔ وہ دل میں سوچتا، شادی ہوگی تو بچّے بھی ہوں گے۔ اور جب بچّے مجھے ابا کہیں گے تو کتنا عجیب لگے گا۔ مجھے بڑی شرم آئے گی۔

باپ نے مرنے سے پہلے اسے کہا ”بوٹا پتّر، میری کوئی جائداد نہیں ہے۔ ایک یہ چھپر ہے اور ایک لوہار خانہ۔ محنت سے کام کرتے رہو گے تو کبھی بھوکے نہیں مرو گے۔ اس کے علاوہ مولوی غلام رسول نے مجھ سے پانچ ہزار روپے ادھار لئے تھے، وہ اس سے واپس لے لینا۔ رسید صندوق میں رکھی ہے۔“

باپ کی وفات کے بعد لوہار خانے کا کام ٹھپ ہونا شروع ہو گیا۔ بوٹا لوہار صرف کام کرنا جانتا تھا۔ اسے کام کی منصوبہ بندی نہیں آتی تھی۔

جب گھر میں تنگی ہونے لگی تو بوٹے کی ماں صابرہ بی بی نے اسے مولوی غلام رسول والے قرضے کے بارے میں یاد دلایا اور صندوق سے چند کاغذات نکال کر دیے۔

"ذرا دیکھو تو' ان میں قرضے کی رسید کون سی ہے" بوٹا پانچ جماعتیں پڑھا ہوا تھا اور تھوڑی بہت لکھت پڑھت کر لیتا تھا۔ وہ بڑے غور سے ایک ایک کاغذ دیکھنے لگا۔ ایک کاغذ پر لکھا تھا۔ بوٹے لوہار سے پانچ ہزار روپے وصول پائے۔ حسبِ توفیق واپس کر دیے جائیں گے۔ غلام رسول عفی عنہ۔

بوٹے نے دو تین مرتبہ رسید پر لکھا ہوا نام پڑھا۔ پھر بولا۔ رسید تو یہی ہے۔ پر نام ذرا مختلف ہے۔"

"کیا نام ہے؟" ماں نے پوچھا۔

"اس پر غلام رسول عفی اننا لکھا ہوا ہے" بوٹے نے عنہ کو اننا پڑھا تھا "مولوی غلام رسول اننا تو نہیں ہے۔"

"یہ اس کے باپ کا نام ہو گا" ماں نے کہا "یہ رسید سنبھال کر مولوی غلام رسول کے پاس لے جا اور اس سے کہہ ہمیں پیسوں کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ اور دیکھ' ادب سے بات کرنا۔ مولوی غلام رسول بڑے مرتبے والا آدمی ہے۔"

بوٹے نے رسید جیب میں رکھی اور مولوی غلام رسول کے گھر پہنچ گیا جو مسجد سے ملحق تھا۔

اس وقت شام کے چھ بجے تھے اور پینتیس سالہ مولوی غلام رسول داڑھی کی تراش خراش میں مصروف تھا۔

بوٹے کی دستک پر مولوی کی سترہ سالہ بیٹی صادقہ نے دروازہ کھولا۔ وہ نہایت حسین لڑکی تھی اور اپنی عمر سے بڑی لگتی تھی۔ مولوی اسے سات پردوں میں بند رکھنے کی کوشش کرتا تھا لیکن وہ ان پابندیوں کی سخت مخالف تھی۔ کیوں کہ اسے اپنے اردگرد فیشن ہی فیشن نظر آتا تھا۔ گھروں میں فیشن' بازاروں میں فیشن' اسکولوں میں فیشن اور دعوتوں میں فیشن۔ ان کے گھر میں ٹی وی نہیں تھا۔ مگر وہ چوری چھپے کبھی کبھار پڑوسیوں کے گھر جا کر ٹی وی دیکھ لیتی تھی۔ وہاں بھی اسے فیشن ہی نظر آتا تھا۔ فیشن کی اس بہتات کو دیکھ کر وہ باپ کی پابندیوں کو ظالمانہ سمجھتی تھی اور گھر کے اندر ہر وقت گھٹن محسوس کرتی رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ

دستک کی آواز سنتے ہی وہ دروازے کی طرف بھاگتی تھی۔ مولوی نے میٹرک کے بعد اس کی تعلیم ختم کردی تھی اور اب اس کی شادی کی فکر میں تھا۔

بوٹے لوہار نے صادقہ کو دیکھا تو آنکھیں جھپکانے لگا۔ اتنی خوبصورت لڑکی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"میرا نام بوٹا لوہار ہے" اس نے نظر چراتے ہوئے کہا۔ "میں مولوی غلام رسوم سے ملنے آیا ہوں۔"

صادقہ، بوٹے کی شرماہٹ دیکھ کر کھی کھی کرتی ہوئی واپس بھاگی "اباجی، اباجی، باہر بوٹا لوہار آیا ہے۔"

مولوی غلام رسول قینچی اور شیشہ ایک طرف رکھتے ہوئے بولا "دروازہ تو نے کھولا تھا؟"

"سامنے تھوڑا ہی گئی تھی" صادقہ نے جھوٹ بولا۔ "دروازے کے پیچھے سے بات کی تھی۔ اور موٹی آواز میں بات کی تھی۔"

"چل بھاگ" مولوی دروازے کی طرف بڑھا "تجھے کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ دروازہ مت کھولا کر۔ اب تو بڑی ہوگئی ہے۔"

"اونہہ..." صادقہ بڑبڑائی "ساری دنیا کی لڑکیاں باہر گھومتی پھرتی ہیں۔ ان کو تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ساری پابندیاں میرے لئے ہی رہ گئی ہیں۔"

مولوی نے دروازہ کھولا اور بوٹے کا سر سے پیر تک جائزہ لیا۔ "بولو برخوردار! کیسے آنا ہوا؟"

"سلام مولوی جی" بوٹے نے کہا "میں اللہ دتے لوہار کا بیٹا بوٹا لوہار ہوں۔ آپ نے مجھے پہچانا؟"

"ہاں۔ پہچان لیا ہے" مولوی نے تیوری چڑھائی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بوٹا پیسوں کے سلسلے میں آیا تھا "کام کی بات کرو۔"

"آپ نے میرے ابا سے پانچ ہزار روپے ادھار لئے تھے" بوٹے نے کہا "گھر میں اس وقت بڑی تنگی..."

"کون سے پانچ ہزار روپے؟" مولوی انجان بن گیا۔

"یہ میرے پاس آپ کی لکھی ہوئی رسید موجود ہے" بوٹے نے جیب سے رسید نکال کر دکھائی۔

مولوی نے رسید لے کر اس پر سرسری نظر ڈالی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے بولا "یہ رسید بے کار ہو چکی ہے۔ تیرے باپ نے مرنے سے ایک مہینہ پہلے پیسے واپس لے لئے تھے۔ چل چھٹی کر۔"

"مولوی صاحب! یہ کیا کیا آپ نے؟" بوٹے نے پریشان ہو کر کہا "رسید کیوں پھاڑ دی؟"

"واہ میاں واہ! تو نے سوچا ہوگا کہ رسید دکھا کر ڈبل پیسے وصول کرلے گا۔ مرنے والا مرگیا۔ پیچھے ناکارہ اولاد چھوڑ گیا۔ جا، میرا وقت برباد مت کر۔"

"مولوی جی، ابا نے خود کہا تھا کہ آپ نے اس کے پانچ ہزار روپے دینے ہیں۔ گھر میں بڑی تنگی ہے جی۔"

مولوی نے جیب میں ہاتھ مارا اور پچاس روپے کا نوٹ نکال کر بوٹے کی طرف بڑھایا "لے یہ رکھ لے۔ پرچون والے سے آٹا دال لے جانا اور آئندہ ایسا گناہ نہ کرنا۔"

"مجھے خیرات نہیں چاہئے جی۔ میں اپنا حق حلال کا پیسہ لینے آیا ہوں۔ ابا نے مرنے سے پہلے خود کہا تھا کہ..."

"جاتا ہے یا دوں ایک جھانپڑ۔"

"میں ایسے نہیں جاؤں گا۔ آپ نے رسید کیوں پھاڑ دی؟"

مولوی جانتا تھا کہ بوٹا پرلے درجے کا بدھو اور ڈرپوک تھا۔ اس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور دھکے بھی دیئے۔ پھر اندر گھس کر دروازہ بند کرلیا۔

بوٹے نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور حیرانی سے بند دروازے کو گھورنے لگا۔ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے والا مولوی صاف مکر گیا تھا۔ اس نے رسید بھی پھاڑ دی تھی۔

بوٹا ایک جاہل نوجوان تھا۔ مذہب پر اس کا اعتقاد صرف مولوی کی وجہ سے تھا۔ مولوی کے رویئے کی وجہ سے اس کا اعتقاد چکنا چور ہوگیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ مولوی فراڈ ہے۔ وہ ستون ہی گر گیا تھا جس پر اس کے اعتقاد کی بنیاد تھی۔

وہ زور زور سے دروازہ پیٹنے اور واویلا کرنے لگا۔ مولوی جھری سے باہر دیکھ رہا تھا۔ جب چند نمازی شور کی آواز سن کر اس طرف آنکلے تو اس نے دروازہ کھولا اور چھڑی سے بوٹے کو پیٹنا شروع کردیا۔ ساتھ ہی اس نے نمازیوں کو بھی اکسایا۔ دو نمازی بھی اس کارِ خیر میں شریک ہوگئے۔ انہوں نے بوٹے کا جرم معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

بوٹے نے ان میں سے ایک کو دھکا دیا۔ وہ دبلا پتلا اور ادھیڑ عمر آدمی قریبی باڑھ کے اوپر سے لڑکھڑاتا ہوا دوسری طرف جا پڑا۔ اس کے ہاتھوں پر خراشیں آئیں اور کولھے کی ہڈی سرک گئی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تب اس نے شور مچادیا۔ "ماردیا، ماردیا۔ ہڈی توڑ دی، ہڈی توڑ دی۔ ہائے... ہائے..."

"یہ صریح قاتلانہ حملہ ہے" مولوی غلام رسول نے کہا۔ "پولیس کو بلاؤ۔ اس بدمعاش کو پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔ اس کو پکڑلو، جانے نہ پائے۔"

دو آدمی ادھیڑ عمر شخص کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ ایک شخص سائیکل پر پولیس کو بلانے چلا گیا۔

چند منٹوں کے اندر ایک حوالدار دو سپاہیوں کے ہمراہ موقع پر پہنچ گیا۔ اس اثنا میں وہاں کافی لوگ جمع ہوچکے تھے اور مولوی کے اشارے پر بوٹے لوہار کی پٹائی کررہے تھے۔ حوالدار نے بوٹے کو ہتھکڑی پہنا کر سپاہیوں کے حوالے کردیا اور مولوی سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔

"یہ بدمعاش یہاں غنڈہ گردی کرنے کی کوشش کررہا تھا۔"

پہلے اس نے مجھ پر حملہ کیا۔ پھر شیخ سجاد علی پر حملہ کر کے ان کے کولھے کی ہڈی توڑی۔ ان کو دو آدمی اسپتال لے گئے ہیں۔ اس پر قاتلانہ حملے کا کیس بنائیں۔"

"بات کہاں سے شروع ہوئی تھی؟"

"بات کیا ہونی تھی۔ میرا دروازہ کھٹکھٹا کر کہنے لگا کہ اس کے باپ نے مجھے پانچ ہزار روپے دیے تھے۔"

"اس کا باپ کہاں ہے؟"

"باپ مرچکا ہے۔ وہ بے چارہ شریف آدمی تھا۔ میں نے تقریباً ایک سال پہلے اس سے پانچ ہزار روپے لئے تھے اور اس کی موت سے ایک مہینہ پہلے واپس کر دیے تھے۔ اب یہ سورما دوبارہ پیسے مانگنے آگیا۔"

"کیوں اوئے..." حولدار نے بوٹے کو ٹھڈا مارا "بدمعاشی کرتے ہو؟ چلو تھانے۔"

"میں غریب آدمی ہوں جی" بوٹے نے عاجزی سے کہا۔ "میرے باپ نے ان کو پانچ ہزار روپے ادھار دیے تھے۔ وہ لینے آیا تھا۔"

"کیا ثبوت ہے تیرے پاس؟"

"میں رسید ساتھ لے کر آیا تھا۔ انہوں نے پھاڑ کر پھینک دی۔ اس کے ٹکڑے ادھر ہی پڑے ہوئے تھے۔"

کاغذ کے پرزے ہوا سے اڑ کر دور چلے گئے تھے۔

حوالدار نے ادھر ادھر نظر دوڑائی، بولا "ادھر کدھر ہیں؟"

مولوی نے کہا "اس نے شیخ صاحب کی کولھے کی ہڈی بھی توڑ دی ہے۔"

"میں نے کسی کی ہڈی نہیں توڑی ہے" بوٹے نے کہا "وہ آدمی مجھے خواہ مخواہ مار رہا تھا۔ میں نے اسے پرے کیا تو وہ گر گیا۔ میرا اس میں کیا قصور ہے! مولوی جی سے کہیں کہ میرے پیسے دے دیں۔ میں اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں گا۔"

مولوی نے اس کے کندھے پر زور سے چھڑی ماری۔ چھڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

"مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے ہو" مولوی نے کہا۔

"میں قسم کھانے کو تیار ہوں جی۔" بوٹے نے کہا "جتنی بڑی قسم چاہے اٹھوالیں۔ اگر یہ سچے تھے تو انہوں نے رسید کیوں پھاڑی؟ میرے باپ نے خود مجھے بتایا تھا کہ اس نے مولوی غلام رسول کو پانچ ہزار روپے ادھار دیے تھے۔"

ایک آدمی نے ہولے سے کہا "اگر بوٹا لوہار سچ بول رہا ہے تو ہماری نمازوں کا اللہ ہی حافظ ہے..."

○☆○

پولیس نے بغیر کسی رپورٹ اور چالان کے بوٹے لوہار کو تین روز حوالات میں بند رکھا اور اس پر تشدد کرتے رہے۔ لیکن بوٹا اپنے مطالبے سے دستبردار نہیں ہوا۔ وہ آخر وقت تک یہی کہتا رہا کہ مولوی جھوٹ بولتا تھا۔ اس نے رسید پھاڑ کر پھینک دی تھی تاکہ پیسے نہ دینے پڑیں۔

اس کے فولادی جسم پر تشدد کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ چوتھے دن پولیس نے اسے وارننگ دے کر رہا کر دیا۔ جس حوالدار نے اسے گرفتار کیا تھا اس کا نام تاج دین تھا۔ اس نے اپنے طور پر ادھر ادھر سے پتا کیا تو اسے معلوم ہوا کہ بوٹا لوہار اپنے ڈیل ڈول کے باوجود ایک سیدھا سادہ اور بے ضرر سا آدمی ہے۔ اس نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی..... ان معلومات کے بعد اسے بوٹے پر ترس آیا کہ بے چارہ خواہ مخواہ تشدد کا نشانہ بنا۔

مولوی نے بوٹے کی گرفتاری کے بعد ایک بااثر آدمی سے تھانے دار کو فون کروادیا تھا کہ بوٹے پر کوئی کیس نہ بنایا جائے بلکہ ایک دو روز حوالات میں چھتّر لگانے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔

بوٹے کی رہائی کے بعد حوالدار تاج دین اسے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں لے گیا اور پوچھا۔ "بوٹے خان! سچ بتا، اصل معاملہ کیا ہے؟ کیا مولوی غلام رسول نے واقعی تیرے پیسے دینے ہیں؟"

"ابا نے تو یہی بتایا تھا جی" بوٹے نے جواب دیا "گھر میں رسید بھی موجود تھی۔ اب پتا نہیں مرنے والے نے جھوٹ بولا تھا یا زندہ جھوٹ بول رہا ہے۔"

"رسید پر کیا لکھا ہوا تھا؟"

بوٹا سوچتے ہوئے بولا "لکھا تھا۔ دتے لوہار سے پانچ ہزار روپے وصول پائے۔ حسبِ توفیق واپس کر دیے جائیں گے۔"

"نیچے دستخط کس کے تھے؟"

"نیچے لکھا تھا۔ غلام رسول عفی اَنا"

"یہ عفی اَنا کیا ہوتا ہے؟"

"پتا نہیں۔ ماں کہہ رہی تھی کہ عفی اَنا مولوی کے باپ کا نام ہوگا۔"

حوالدار نے جیب سے بال پین نکال کر بوٹے کو دیا اور اسے عفی اَنا لکھنے کے لئے کہا۔ بوٹے نے سگریٹ کے ایک خالی پیکٹ پر اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر میں عفی عنہ لکھ دیا۔ حوالدار سمجھ گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ اس نے کہا "بوٹے خان! تم اتنے ڈیل ڈول اور مضبوط جسم کے آدمی ہو۔ تمہیں چاہیے تھا کہ اپنے بچاؤ میں دو چار ہاتھ چلا دیتے۔ تم ادھر مولوی کے گھر کے سامنے چپ چاپ لوگوں سے مار کھا رہے تھے۔ اس طاقت کا کیا فائدہ!"

"حوالدار جی! میں نے ساری عمر لوہا کوٹا ہے۔ کسی بندے پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ میرے پاس وہ طاقت نہیں ہے جس کی آپ بات کر رہے ہیں۔ میں غریب آدمی ہوں، میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔"

حوالدار ہولے ہولے سر ہلانے لگا، بولا "تم سچ کہتے ہو بوٹے خان۔ طاقت جسم میں نہیں کہیں اور ہوتی ہے۔ اور غریب

آدمی تو اس بندوق کی طرح ہوتا ہے جس کے ٹرائیگر پر کسی اور کی انگلی ہوتی ہے۔ بندوق خود بخود نہیں چلا کرتی 'اسے چلایا جاتا ہے۔'

بوٹے لوہار کو حوالدار کی باتیں سمجھ نہیں آرہی تھیں۔ اس نے کہا "حوالدار جی' مجھے جانے کی اجازت دیں۔ پتا نہیں میری ماں کس حال میں ہوگی۔"

"کھانا نہیں کھاؤ گے؟ اس ہوٹل کی بریانی بڑی مزیدار ہوتی ہے۔ آج میری پاکٹ سے کھانا کھاؤ۔"

"تم مجھے بریانی خرید کر دے دو' میں گھر جاکر کھالوں گا" بوٹا بہت پریشان ہو رہا تھا "پتا نہیں دو دن سے گھر میں چولھا بھی جلا ہے یا نہیں۔"

حوالدار نے اسے بریانی پارسل کروادی اور بولا "کل تم مجھے اسی ہوٹل میں ملو۔ دن کے گیارہ بجے میں تمہیں ایک بڑے آدمی کے پاس لے چلوں گا۔ اگر تم اس کی نظر میں جچ گئے تو تمہارا کام ہوجائے گا۔ مولوی گھر آکے تمہارے پیسے دے جائے گا۔"

بوٹے کو سخت بھوک لگ رہی تھی اور تھیلی میں سے اٹھتی ہوئی بریانی کی خوشبو اس کی بھوک کو اور تیز کر رہی تھی۔ اس نے اگلے روز ہوٹل میں ملنے کا وعدہ کیا اور فوراً رخصت ہوگیا۔ وہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا چاہتا تھا۔

جب وہ گھر پہنچا تو وہاں اس کے چند رشتے دار بیٹھے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ ان کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ بوٹے کو دیکھ کر سب چپ ہوگئے۔

"چاچا' میری ماں کہاں ہے؟" بوٹے نے ایک سفید ریش بوڑھے سے معلوم کیا "میں... اس کے لئے بریانی لایا ہوں۔"

"بریانی ادھر رکھ دے اور میرے پاس بیٹھ جا۔"

بوٹے نے پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھا' پوچھا "کیا وہ ماں کو بھی پکڑ کر لے گئے ہیں؟"

ایک نوجوان نے بوٹے کے ہاتھ سے تھیلی لے لی اور اسے چارپائی پر بٹھادیا "ذرا اپنا دل مضبوط کرلے۔"

"اوئے تم لوگ کچھ بتاتے کیوں نہیں؟"

بوڑھے نے بوٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بوٹے' تیری ماں کو اس بریانی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس وقت جنت کی نعمتیں کھا رہی ہوگی۔"

بوٹا ایک جھٹکے سے کھڑا ہوگیا "او' میری ماں بھی مرگئی؟"

"پتر' سب نے ایک دن مرجانا ہے" بوڑھے نے کہا۔ "حوصلہ رکھ' حوصلہ۔"

"وہ بھلی چنگی تھی اوئے۔ وہ کیسے مرگئی! اس نے تو مجھے مولوی کے پاس پیسے لینے بھیجا تھا۔"

"یہ تو اچھی بات ہوئی نا کہ وہ بھلی چنگی دنیا سے رخصت ہوگئی" بوڑھے نے کہا "بیماریوں اور تکلیفوں میں نہیں پڑی۔ انسان ہنستا مسکراتا دنیا سے رخصت ہوجائے تو خود بھی سکھی رہتا ہے اور اس کے رشتے دار بھی۔"

"تم کہاں چلے گئے تھے؟" نوجوان نے بوٹے سے پوچھا۔ "کسی کو بتا کر ہی نہیں گئے۔"

بوٹا زمین پر بیٹھ کر رونے لگا۔ اس نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ کسی کو اس کی گرفتاری کا پتا نہیں چلا تھا۔ اس نے ہمیشہ یہی سنا تھا کہ حوالات یا جیل جانے والے کی عزت دو کوڑی کی نہیں رہتی۔

کچھ دیر رونے کے بعد اس نے اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا کہ ماں اس کی گرفتاری سے بے خبر دنیا سے رخصت ہوگئی تھی۔

لیکن یہ محض اس کی لاعلمی تھی۔ صابرہ بی بی کی موت اس کی گرفتاری کی خبر سے واقع ہوئی تھی۔

چار روز پہلے بوٹے کو مولوی غلام رسول کے پاس بھیجنے کے بعد وہ یہ سوچتی ہوئی گھر کے کام میں مصروف ہوگئی کہ اب اسے بیٹے کی شادی کردینی چاہیے تاکہ گھر میں بہو آئے اور اس کے پوتے پوتیوں کا ارمان پورا ہو۔

جب بوٹے کو گئے ہوئے ایک گھنٹے سے اوپر ہوگیا تو وہ فکر مند ہوئی کہ پتا نہیں بوٹا کہاں چلا گیا۔ اس کے جی میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ ساڑھے سات بجے دروازے پر بڑے زور کی دستک سنائی دی۔ صابرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ سامنے مولوی غلام رسول کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی چھڑی تھی۔ اس نے چھڑی سے دستک دی تھی۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"مولوی صاحب' مولوی صاحب' خیریت تو ہے؟" صابرہ بی بی نے گھبرا کر کہا "بوٹا آپ کی طرف گیا تھا۔"

مولوی اندر قدم رکھتے ہوئے بولا "خیریت نہیں ہے۔"

"ہائے وے ربا!" صابرہ بی بی نے سینے پر ہاتھ رکھا "کیا ہوا ہے میرے سوہنے پتر کو؟"

"بدمعاش پتر کہو' بدمعاش" مولوی چھڑی لہراتے ہوئے بولا۔ "اس بدمعاش کو پولیس نے اقدام قتل کے جرم میں گرفتار کرلیا ہے۔"

"قتل" کا لفظ سنتے ہی صابرہ بی بی کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کے سینے میں چھرا گھونپ دیا ہو۔ وہ سیدھی سادی عورت قتل اور اقدام قتل کا فرق نہیں سمجھتی تھی۔ وہ یہی سمجھی کہ اس کے بیٹے کے ہاتھوں کوئی شخص قتل ہوگیا تھا اور پولیس نے اسے گرفتار کرلیا تھا۔

جب اللہ دتہ زندہ تھا تو اکثر کہا کرتا تھا "صابرہ بی بی' بوٹے کے ہاتھ پیر بڑے مضبوط ہیں۔ بڑی طاقت ہے اس کے بدن میں۔ میں تو ہر وقت ڈرتا ہی رہتا ہوں۔ اگر اس نے کسی کو مکا شکا ماردیا تو وہ اناللہ ہوجائے گا۔"

"اللہ دتے ' اللہ سے خیر مانگ خیر" صابرہ جواب دیتی۔ "بندے کو ایسی باتیں زبان پر نہیں لانی چاہئیں۔"

صابرہ بی بی کو اپنے مرحوم شوہر کی یہ بات بار بار یاد آرہی تھی۔ مولوی غلام رسول تو بات ختم کر کے واپس چلا گیا پر صابرہ بی بی بالکل ڈھے گئی۔

رات کے نو بجے اس کے دل میں درد اٹھا۔ وہ گرتی پڑتی پڑوسن کے دروازے تک گئی۔ دروازہ کھٹکھٹایا اور وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ جب پڑوسن نے دروازہ کھولا تو اس وقت تک وہ اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔

○☆○

بوٹا لوہار کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا۔ جب تک اس کا باپ زندہ تھا اسے کبھی روزی کمانے کی فکر نہیں ہوئی تھی۔ اور جب تک ماں زندہ تھی اس نے گھر کے کاموں کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ پکی پکائی روٹی ' دھلے ہوئے کپڑے اور لگا لگایا بستر مل جاتا تھا۔ اب یہ سارے کام اسے خود کرنے پڑ رہے تھے اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ ماں باپ کی موجودگی میں اس کی زندگی کتنے سکھ چین سے گزر رہی تھی۔

چند روز کے بعد اس کا غم کچھ ہلکا ہوا تو اس نے لوہار خانے پر جانا شروع کر دیا۔ لیکن کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ ایک عجیب بے چینی اس کے جی کو لاحق ہو گئی تھی۔ اسے بار بار ایک ہی خیال آتا تھا کہ مولوی غلام رسول کے پاس جا کر اس نے سخت غلطی کی تھی۔ شاید اس کا باپ اپنا قرضہ وصول کر چکا تھا اور بیماری کی وجہ سے بھول گیا تھا۔ اسے مولوی غلام رسول کی بد دعا لگ گئی تھی۔ شاید!

ایک روز وہ انہی سوچوں میں گم اپنے لوہار خانے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا کہ حوالدار تاج دین اس کے پاس پہنچ گیا۔ "اوئے بوٹے خان! اس روز میں تمہارا انتظار ہی کرتا رہا۔" تاج دین نے کہا "تم آئے کیوں نہیں؟"

بوٹے نے گہرا سانس لیتے ہوئے تاج دین کی طرف دیکھا بولا۔ "تاج دین! تم تو مجھے پکڑ کر تھانے لے گئے تھے ' پیچھے میری ماں فوت ہو گئی۔"

"اچھا" تاج دین نے کہا "بڑا افسوس ہوا۔"

"ہاں بھئی ' اب تو تم افسوس ہی کر سکتے ہو۔"

"پر مولوی غلام رسول تو بتا رہا تھا کہ اس روز تمہاری ماں خیریت سے تھی" تاج دین سوچتے ہوئے بولا۔

بوٹا چونک کر اس کی طرف مڑا "مولوی کو کیسے پتا چلا؟"

"وہ تمہاری ماں کو تمہاری گرفتاری کی خبر دینے گیا تھا" تاج دین نے کہا "یہ بات اس نے مجھے تھانے میں بتائی تھی۔"

"تو پھر سمجھ لے تاج دین ' مولوی میری ماں کا قاتل ہے" بوٹا ' تاج دین کا بازو پکڑتے ہوئے بولا "ماں میری گرفتاری کی خبر سن کر صدمے سے مر گئی ہو گی" وہ کھڑا ہو گیا "میں مولوی کا گلا گھونٹ دوں گا۔"

"پاگل مت بن بوٹے خان" تاج دین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "تیرا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ نہ کوئی تجھے پوچھنے آئے گا ' نہ کوئی تیرے لئے وکیل کرے گا۔"

"میں اب زندہ رہ کر کیا کروں گا تاج دین! ایک ماں تھی ' وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئی۔"

"پھر بھی بندے کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہئے۔ چل میرے ساتھ ' میں تجھے رانا صاحب کے پاس لے چلتا ہوں ' وہ تیرے سارے مسئلے حل کر دیں گے۔"

○☆○

رانا غلام دستگیر صوبائی سطح کے سیاستداں اور اونچے جاگیردار تھے۔ وہ ہمیشہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑتے تھے اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوتے تھے۔ کامیابی کے بعد وہ عموماً حزب اقتدار سے تعاون کرتے لیکن شرطیں اپنی منواتے۔ جاگیرداری کی طرح سیاست بھی ان کی خاندانی میراث تھی۔ کاروبارِ سیاست کو کامیابی سے چلانے کے لئے انہیں ہر قسم کے ورکروں کی ضرورت رہتی تھی۔ جب سے سیاست میں تشدد کو فروغ حاصل ہوا تھا تب سے انہوں نے بھی جی دار قسم کے "گوریلوں" پر زیادہ نظر رکھنی شروع کر دی تھی۔

جب حوالدار تاج دین ' بوٹے لوہار کے ہمراہ اس کے پیلس میں پہنچا ' اس وقت درجن بھر افراد وسیع ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ ان میں مختلف طبقوں کے لوگ تھے جو اپنے اپنے مسائل کے سلسلے میں وہاں آئے تھے۔

تاج دین ' بوٹے کے ساتھ برآمدے میں بیٹھ گیا "یہاں تک داخلہ مفت ہے" تاج دین نے بوٹے کو بتایا "ادھر چائے اور کھانے پینے کو بھی مل جاتا ہے مگر بڑے صاحب سے ملاقات ذرا مشکل ہی سے ہوتی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"یہ سیاست کی باتیں ہیں بوٹے خان ' ان کو میرے تیرے جیسے نہیں سمجھ سکتے۔ رانا صاحب اپنی تقریروں میں ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ ان کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں۔ اور دیکھ لو ' دروازے واقعی کھلے ہیں۔ آگے بندے کی قسمت۔ رانا صاحب کی نظر پڑ گئی تو پہلے ہی دن کام بن گیا ' ورنہ چکر لگاتے رہو۔"

اتنے میں ایک ملازم برآمدے میں وارد ہوا۔ اس نے ہاتھ میں ٹرے پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے حوالدار کو سلام کیا اور چائے کے دو کپ اور مٹھائی کی ایک پلیٹ ان کے سامنے رکھ کر واپس چلا گیا۔ اس نے سفید چپل اور صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے۔ کندھے پر ہولسٹر بھی لٹک رہا تھا۔

بوٹا بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اپنے میلے

کپڑوں کا اس کے عمدہ کپڑوں سے موازنہ کر رہا تھا۔ ملازم کے جانے کے بعد اس نے پوچھا "یہ کوئی گھر کا آدمی تھا؟"

"یہ رانا صاحب کا نوکر تھا۔"

"اچھا!" بوٹے نے آنکھیں جھپکائیں "یہاں تو نوکروں کی بھی بڑی قدر ہے۔"

"بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ لو مٹھائی کھاؤ"

بوٹے نے برفی کا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا، بولا "اس طرح تو بڑا پیسہ خرچ ہو جاتا ہوگا۔"

"رانا صاحب کو اللہ نے بڑی دولت دی ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ خاص مہمانوں کے لئے روزانہ دس بیس مرغ اور ایک آدھ بکرا ذبح ہوتا ہے۔"

چند لمحوں کے بعد سوٹ میں ملبوس ایک بارعب شخص برآمدے میں نمودار ہوا اور سیدھا حوالدار کے پاس پہنچا۔ حوالدار کھڑا ہو گیا۔ بوٹا بھی کھڑا ہو گیا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" بارعب شخص نے پوچھا۔

بوٹا اسے رانا صاحب سمجھا اور جھک کر سلام کیا "یہ بوٹا لوہار ہے جی" تاج دین نے کہا "اس کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ میں اسے بڑے صاحب سے ملانے کے لئے لایا ہوں۔ ایک آدمی اس کے پیسے کھا گیا ہے۔"

بارعب شخص نے تنقیدی نظروں سے بوٹے کے گٹھے ہوئے جسم کا جائزہ لیا، بولا "اس کے ساتھ کون زیادتی کر سکتا ہے! یہ تو اچھا خاصا مضبوط آدمی نظر آتا ہے۔ اگر اس جیسے پہلوانوں کے ساتھ بھی زیادتی ہونے لگی تو پھر غریب، مسکین زندہ درگور ہو جائیں گے۔"

"اس کے پیچھے کسی کا ہاتھ نہیں ہے جی۔ بندہ تو یہ بڑا مضبوط ہے... اور کام کا بھی ہے۔"

"آج ملاقات ذرا مشکل ہے۔ بڑے صاحب بہت مصروف ہیں۔ دو تین روز کے بعد آ جانا۔"

"سر جی، اس کا دماغ بہت گھوما ہوا ہے" تاج دین نے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ یہ کوئی بندہ شندہ نہ مار دے۔"

"اچھا انتظار کرو۔ میں کوشش کرتا ہوں" بارعب شخص نے کہا اور آگے بڑھ کر برآمدے میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔

تاج دین اور بوٹا دوبارہ بیٹھ گئے۔ بوٹے نے آہستہ سے پوچھا "یہ رانا صاحب کا بیٹا ہے؟"

"یہ بھی نوکر ہے۔"

"اچھا! اس کی تو بڑی شان ہے!"

"رانا صاحب کے پاس ایسے بے شمار لوگ کام کرتے ہیں۔"

'کمال ہے!' بوٹے نے دل میں سوچا۔ 'میں تو رانا صاحب کے نوکروں کا نوکر بھی نہیں لگتا۔'

تقریباً دس منٹ بعد ایک دبلا پتلا شخص برآمدے سے نمودار ہوا۔ اس نے خاکی سوٹ اور پی کیپ پہن رکھی تھی۔ اس کی پیشانی تنگ اور آنکھیں پھولی پھولی تھیں۔ اس کے دائیں بائیں چار آدمی تھے۔ ان میں سوٹ والا بارعب شخص بھی تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ، کھڑے ہو جاؤ" حوالدار تاج دین نے بوٹے کو کہنی ماری "بڑے صاحب آ گئے۔"

بوٹا حیرت سے آنکھیں جھپکانے لگا۔ بڑے صاحب اس کے تصور سے بالکل مختلف تھے۔ اس کے خیال میں بڑے صاحب کے نوکر زیادہ رعب داب والے نظر آتے تھے۔

"بوٹا خان کون ہے؟" رانا صاحب نے پوچھا۔ ان کی آواز خاصی رعب دار تھی۔

تاج دین نے رانا صاحب کو سیلوٹ مارنے کے بعد بوٹے کو آگے دھکیلا "یہ ہے جی بوٹا خان۔"

رانا صاحب، بوٹے کا بازو ٹٹولتے ہوئے بولے "بندہ تو یہ بڑا ٹھوس معلوم ہوتا ہے۔ اوئے سنا ہے تم کوئی بندہ مارنے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"بس۔ ایسے ہی ہے جی" بوٹے نے عاجزی سے کہا "غریب آدمی کا اس دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ جب انصاف نہ ملے تو بندہ ہی مارنا پڑتا ہے۔"

حوالدار نے کہا "رانا صاحب، دو مہینے کے اندر اس کے ماں باپ باری باری فوت ہو گئے ہیں۔ ایک شریف آدمی اس کے پانچ ہزار روپے کھا گیا ہے۔"

رانا صاحب نے قہقہہ لگایا، بولے "وہ یقیناً شریف آدمی ہوگا۔ بدمعاش آدمی آج کل پیسے چھینتا ہے، کھاتا نہیں۔ کھانے کا کام شریف آدمیوں نے سنبھال لیا ہے۔ بوٹے خان، تم کام کیا کرتے ہو؟"

"لوہا کوٹتا ہوں۔"

"یہ لوہار ہے جی" تاج دین نے کہا "پر آج کل اس کا کام بہت مندا ہے۔"

"جبھی تمہارا جسم لوہے جیسا ہے۔ اوئے، تم سے تو لوگوں کو کانپنا چاہئے۔ تم نے اس شریف آدمی کا گریبان کیوں نہیں پکڑا؟"

"میں جی... ذرا ڈرتا ہوں۔ میرا باپ ہمیشہ یہی کہتا تھا بوٹے، کسی کو مُکا شُکا نہ مار دینا، قتل کا کیس بن جائے گا۔ میرا ہاتھ ذرا بھاری ہے۔"

تاج دین نے کہا "رانا صاحب! یہ آدمی نہیں ہے، توپ ہے توپ۔ پر اس کو چلانے والا کوئی نہیں ہے۔"

رانا صاحب ہولے ہولے سر ہلانے لگے۔ ایک توقف کے بعد انہوں نے کہا "تم ادھر ہی بیٹھو، میں تمہارے بارے میں کچھ سوچتا ہوں۔"

○☆○

نصف گھنٹے کے بعد رانا صاحب نے بوٹے اور تاج دین کو

اپنے پرائیویٹ کمرے میں بلالیا۔ بوٹا کمرے کی سج دھج اور آرائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ قالین صرف فرش پر ہی نہیں دیواروں پر بھی لٹک رہے تھے۔ ایک دیوار پر شیر کا سر مع پوری کھال کے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو رائفلیں لٹک رہی تھیں۔

"بیٹھو" رانا صاحب نے میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا "بوٹے خان، اب تم مجھے پورا قصہ سناؤ۔ اس شریف آدمی کا حسب نسب کیا ہے جو تمہارے پانچ ہزار روپے کھا گیا؟"

بوٹا کرسی کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اس کے بیٹھنے سے کرسی میلی نہ ہو جائے۔ تاج دین بھی بیٹھ گیا۔

"حضور! میرا باپ بڑا خدا ترس آدمی تھا۔ اس نے مولوی غلام رسول کو پانچ ہزار روپے ادھار دیے تھے اور کبھی واپسی کا تقاضا نہیں کیا تھا۔ مرنے سے کچھ روز پہلے اس نے مجھے بتایا کہ مولوی غلام رسول نے اس سے پانچ ہزار روپے ادھار لئے تھے۔ اور رسید کے بارے میں بھی بتایا۔ باپ کے مرنے کے کچھ روز بعد میری ماں نے مجھے صندوق سے رسید نکال کر دی اور مولوی کے پاس پیسے لینے کے لئے بھیج دیا۔ مولوی نے رسید میرے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دی اور نمازیوں سے میری پھینٹی لگوا دی۔ خود بھی بہت مارا۔"

"اچھا! تم نے ہاتھ نہیں اٹھایا؟"

"نہ جی۔ اگر میں ہاتھ اٹھاتا تو ایک آدھ بندہ مر جاتا۔ میں نے ایک آدمی کو پرے ہٹایا تو اس نے رولا پا دیا۔ پھر یہ تاج دین آگیا اور مجھے پکڑ کر تھانے لے گیا۔ تین دن تک یہ لوگ میری پھینٹی لگاتے رہے۔"

"او کیوں اوئے تاج دین، تم لوگ غریبوں کو مارتے ہو؟ او، کچھ خدا کا خوف کرو۔"

"اوپر سے فون آگیا تھا جی" تاج دین نے کہا "ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ حکم کے بغیر پر نہیں مار سکتے۔ بعد میں میں نے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ یہ بڑا مسکین بندہ ہے اسی لئے میں اسے آپ کے پاس لایا ہوں۔"

رانا صاحب چند لمحوں تک بوٹے کو گھورتے رہے، پھر اچانک پوچھا "بندہ قتل کر لو گے؟"

"جی! سچ مچ کا بندہ؟" بوٹے نے آنکھیں پھیلائیں۔

"اوئے، جھوٹ موٹ کا بندہ بھی ہوتا ہے کوئی؟"

بوٹا تامل کرتے ہوئے بولا "اگر میں نے بندہ مار دیا تو یہ لوگ مجھے پھانسی پر لٹکا دیں گے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم بندہ مارنے کی بات کر رہے تھے، اب پھانسی کی بات کر رہے ہو۔ ڈرتے ہو؟"

"پتا نہیں جی۔ میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔"

...○...

پادری صاحب کو خوشی تھی کہ ایک پڑھی لکھی خاتون گرجا میں ان سے بائبل کو بڑی توجہ اور عقیدت سے سنتی تھی۔ ایک روز انہوں نے اس سے کہا کہ وہ اس کے گھر آئیں گے۔ خاتون نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اتفاق سے پادری صاحب مقررہ وقت سے آدھ گھنٹے پہلے پہنچ گئے۔ دروازے پر انہوں نے خاتون کی آواز سنی جو ملازمہ سے کہہ رہی تھی "میری! سارا انتظام ٹھیک ہوگیا ہے۔ اب جلدی سے بائبل پر سے گرد اچھی طرح صاف کرو وہ بڈھا آتا ہی ہوگا۔"

"اوئے سن بوٹے خان" رانا صاحب نے کہا "آج سے تم ہمارے آدمی ہو۔ اور ہمارے آدمی کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ تھانے کچہری والے سب اپنے برخوردار ہیں۔ ہماری مرضی کے بغیر یہ دم نہیں مار سکتے۔"

"پھر تو آپ مجھ سے دس بندے مروا لیں۔"

"بس بس، میں تمہارے منہ سے یہی سننا چاہتا تھا" رانا صاحب نے کہا "آج سے تم آزاد ہو۔ ذرا ول قسم کے کپڑے پہن کر اپنے محلے میں راؤنڈ لگاتے رہا کرو۔ اگر کوئی بندہ خرابی کرتا نظر آئے تو اسے ہلکا سا ہاتھ مار دیا کرنا۔ میرا مطلب ہے، محلے میں امن چین رہنا چاہئے۔"

تاج دین نے بوٹے سے کہا "رانا صاحب کا مطلب سمجھ گئے ہو؟"

"ہاں جی، سمجھ گیا ہوں۔"

"رانا صاحب نے تمہیں اپنے محلے کا تھانے دار بنا دیا ہے۔"

"اچھا جی" بوٹے نے آنکھیں پھیلائیں "لوگ میری بات مان لیں گے؟"

"اوئے، ایسے کوئی نہیں مانتا آج کل" رانا صاحب نے کہا۔ "بات طاقت سے منوائی جاتی ہے۔ اب ہماری طاقت بھی تمہارے ساتھ ہے۔ ادھر حاضری دیتے رہنا۔ تم سے ہم نے بڑا کام لینا ہے۔"

"بہت اچھا جی۔"

"آج ہی کپڑا خرید کر سات آٹھ جوڑے سلنے کے لئے دے دو۔ کپڑوں کا بھی رعب ہوتا ہے۔ دو چار پشاوری چپل بھی خرید لینا۔ اور مونچھیں بڑی کر لو۔"

"حضور! میرے پاس تو کھانے پینے کے پیسے بھی نہیں ہیں۔"

"پیسوں کی فکر نہیں کرو، پیسے بہت ہو جائیں گے۔ آج رات کو دس بجے مولوی غلام رسول کے پاس جانا اور اس سے دس ہزار روپے مانگنا۔"

"دس ہزار روپے!"

"ہاں... اب تم مولوی سے دس ہزار روپے مانگو گے۔ سال دو سال میں تو ویسے ہی رقم دُگنی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے تمہیں ذلیل بھی کروایا ہے۔ تم ہرجانے کے بھی حق دار ہو۔ دو ہزار اس کو... تاج دین کو دے دینا۔"

"ٹھیک ہے جی۔"

رانا صاحب نے تاج دین سے کہا "انچارج صاحب سے کہنا کہ اپنی کالی ڈائری میں بوٹے خان کا نام بھی لکھ لیں۔ اور اب جاؤ۔ مجھے اور بھی لوگوں سے ملنا ہے۔ اور کھانا کھا کر جانا۔"

دونوں نے اٹھ کر سلام کیا اور واپس برآمدے میں جا بیٹھے۔

تھوڑی دیر بعد ملازم ان کے لئے کھانا لے آیا۔

"مولوی کے پاس دو روز بعد جانا" تاج دین نے کھانے کے دوران کہا "میں کل موقع دیکھ کر تھانے دار سے تمہارا ذکر کر دوں گا بلکہ دو چار دن کے اندر تمہاری ملاقات بھی کروا دوں گا۔ تھانے دار تم سے کچھ کام بھی لینا چاہتا ہے۔"

"مجھ سے؟" بوٹے نے حیرانی سے پوچھا۔

تاج دین ایک آنکھ دباتے ہوئے بولا "دراصل میں تمہیں تھانے دار کے حکم پر ہی ادھر لایا ہوں۔"

"تھانے دار کے حکم پر!" بوٹا کھانے سے ہاتھ روک کر تاج دین کو گھورنے لگا "یار، مجھے کسی چکر میں نہ ڈال دینا۔ میں سیدھا سادہ لوہار ہوں۔ تھانے دار نے میرے اندر کون سی خوبی دیکھ لی ہے؟"

"تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ یہ سمجھ لو تمہاری لاٹری کھل گئی ہے" تاج دین نے دھیمی آواز میں کہا "ذرا غور سے میری بات سنو۔ آج کل سیدھے سادے بندے کی کوئی عزت نہیں ہے۔ لوگ سیدھے سادے بندوں کو ٹھڈے مارتے ہیں۔ ذلیل کرتے ہیں۔ ان کے تن کے کپڑے بھی چھین لیتے ہیں۔ یاد ہے، اس دن تم مولوی کے گھر کے سامنے بے گناہ مار کھا رہے تھے۔ کسی نے تم سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ تمہارا جرم کیا ہے۔"

بوٹا سوچتے ہوئے بولا "ہاں، یہ تو ہے۔"

"اوئے سودائیا! اللہ نے تیرے ڈپیر میں یہ اتنی طاقت صرف اس لئے نہیں رکھی کہ تم دن بھر لوہا کوٹتے رہو۔"

"مجھے تو یہی ایک کام آتا ہے۔"

"اب ہم تمہیں ایک دوسرا کام سکھائیں گے" تاج دین نے کہا "بندے کوٹنے کا کام۔"

○☆○

مولوی غلام رسول داڑھی میں کنگھی کرتے ہوئے دھیرے دھیرے گنگنا رہا تھا۔

رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی۔
میں رانجھے وچ، رانجھا میں وچ ہور خیال نہ کوئی

تھوڑی دیر پہلے اس کی اپنی بدمزاج بیوی سے تلخ کلامی ہوئی تھی اور اب وہ آئینے میں مختلف زاویوں سے اپنا جائزہ لیتے ہوئے شرع کے عین مطابق دوسری شادی کے متعلق سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

"بڑی غلطی ہوئی" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا "مجھے کسی پڑھی لکھی اور خوبصورت لڑکی سے شادی کرنی چاہئے تھی۔ خیر کوئی بات نہیں، دیر آید درست آید۔ کوئی سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی مناسب رہے گی۔"

اچانک دروازے پر دستک کی آواز سے اس کے خیالات کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے اور مولوی کی بیوی سراج بی بی رات کے کھانے کے برتن دھو رہی تھی۔ وہ چونکہ غصے میں تھی اس لئے برتن دھوتے وقت خاصا کھڑاک کر رہی تھی۔

پندرہ سالہ صادقہ، اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے ہمراہ ٹی وی پر چوری چھپے مڈ ویک سینما دیکھ رہی تھی۔ کمرے کی بتی بجھی ہوئی تھی۔ دروازے کی کنڈی لگی ہوئی تھی اور ٹی وی کی آواز بہت دھیمی تھی۔ یہ ٹی وی وہ پڑوسیوں سے مانگ کر لائی تھی۔ دستک کی آواز سن کے صادقہ چھلانگ مار کر اٹھی اور دوپٹے کی پروا کئے بغیر ننگے پیر دروازے کی طرف بھاگی۔ اس کے گھنے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور اس کا حسن زیادہ نکھر آیا تھا۔

اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور بوٹے لوہار کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔ بوٹے لوہار نے اسے دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس دفعہ اس نے نظریں چرانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اسی لمحے صادقہ نے عقب سے قدموں کی چاپ سنی اور جلدی سے دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔

مولوی، بیٹی کی بے حجابی دیکھ کر غصے سے بھر گیا۔ اس نے اسے بالوں سے پکڑ کر ایک دھپ رسید کی اور بولا "کم بخت! تجھے کتنی مرتبہ منع کیا ہے کہ دروازے پر مت آیا کر۔ چل اندر، میں ابھی تیری خبر لیتا ہوں۔"

بیٹی کو اندر کی طرف دھکیل کر وہ مڑا تو یہ دیکھ کے اسے مزید غصہ آیا کہ... بوٹا لوہار دروازے کے اندر کھڑا تھا۔

"اوئے بوٹے بدمعاش، تو پھر ادھر آ گیا۔" مولوی نے اسے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا "اور تو اندر کس کی اجازت سے گھسا ہے؟"

بوٹے نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا "مولوی! میں تو شریف آدمی تھا۔ شرافت سے اپنے پیسے لینے آیا تھا، پر تو نے مجھے بدمعاش بنا دیا ہے۔"

"کون سے پیسے؟" مولوی نے اسے دھکا دینے کی کوشش کی۔ مگر وہ آہنی ستون کی طرح اپنی جگہ پر جما رہا "کیا ثبوت ہے تیرے پاس؟ نکل جا یہاں سے ورنہ دوبارہ پولیس کے حوالے

کردوں گا۔"
بوٹے نے مولوی کا ہاتھ چھوڑ کر داڑھی پکڑ لی، بولا "پولیس سے شریف آدمی ڈرتے ہیں مولوی، بدمعاشوں کا تو ٹھکانہ ہی تھانہ کچہری ہوتا ہے۔"
"ماردیا، ماردیا" مولوی نے شور مچایا "داڑھی پکڑلی۔ بچاؤ۔ بچاؤ..."
شور سن کر مولوی کے بیوی بچے باہر نکل آئے۔ دو پڑوسی بھی موقع پر پہنچ گئے۔ ان میں ایک شیخ سجاد علی بھی تھا۔ جس کے بارے میں مولوی کہا کرتا تھا کہ بوٹے نے اس کی کولھے کی ہڈی توڑدی تھی۔ دوسرا ایک نوجوان تھا۔ اس کا نام بشارت علی تھا۔ وہ تیزی سے بوٹے پر جھپٹا۔ بوٹے نے اس کی پنڈلی پر ہلکی سی ٹھوکر لگائی تو وہ ایک پیر پر ڈانس کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔
شیخ سجاد علی اس روز بوٹے کی بزدلی کا مظاہرہ دیکھ چکا تھا۔ اس لئے اس نے محتاط رہتے ہوئے بوٹے کی پسلیوں میں ایک گھونسا مارا اور بولا "معلوم ہوتا ہے کہ پولیس نے اس کی اچھی طرح تواضع نہیں کی۔ اس کو دوبارہ..."
بوٹے نے اس کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور بولا۔ "چاچا، کیوں اپنی جان کا دشمن ہو رہا ہے۔ اس روز تو بچ گیا تھا، آج میں تیرا لحاظ نہیں کروں گا۔"
مولوی نے چیخ کر بشارت علی سے کہا "جلدی سے جا، پولیس کو بلالا۔ یہ بدمعاش اس طرح سیدھا نہیں ہوگا۔"
شیخ، بوٹے کی گرفت میں کشمکش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "چھوڑ... چھوڑ میرا گریبان..... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"
بوٹا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بولا "چاچا، اگر تیرے اندر رتی بھر انصاف ہوتا تو تو مینڈک کی طرح پھدکنے کے بجائے مجھ سے یہ پوچھتا کہ میں یہاں کیوں آتا ہوں۔ مولوی سے میرا کیا معاملہ ہے۔"
"میرا گریبان تو چھوڑ۔"
بوٹا اس کا گریبان ڈھیلا کرتے ہوئے بولا "اب پوچھ، میں یہاں کیوں آتا ہوں۔"
"بتاؤ، بتاؤ۔ کیوں آتے ہو یہاں؟" شیخ نے پوچھا۔
"مولوی میرا مقروض ہے" بوٹا گریبان چھوڑتے ہوئے بولا۔ "اس نے میرے دس ہزار روپے دینے ہیں۔"
"یہ... یہ بکواس کرتا ہے" مولوی نے عجلت میں کہا "میں نے اس کے باپ سے صرف پانچ ہزار روپے لئے تھے۔"
"مولوی صاحب!" شیخ نے حیرانی سے کہا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس روز تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ نے اس کا کچھ بھی نہیں دینا۔"
"مم... میں نے وہ رقم واپس کردی تھی۔"
"مولوی، خدا سے ڈر" بوٹے نے کہا "جھوٹ مت بول۔ شرافت سے میرے پیسے نکال دے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"
اس اثنا میں پانچ چھ اور لوگ وہاں پہنچ گئے۔
مولوی نے موقع غنیمت جانا اور اندر سے ڈنڈا نکال لایا۔ "پکڑلو اس بدمعاش کو" وہ ڈنڈا لہراتا ہوا بوٹے کی طرف بڑھا "یہ بری نیت سے میرے گھر میں گھسا ہے۔"
لوگ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔
بوٹے نے بڑی چابک دستی سے مولوی کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین لیا اور اطمینان سے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔
"لوگو! کان کھول کر سن لو" اس نے کہا "مولوی نے مجھے بوٹا بدمعاش کہا ہے اور آج کل بدمعاش کمزور نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے تو وہ آگے آئے۔ میں یہ ڈنڈا اس کو دوں گا اور خود خالی ہاتھوں سے لڑوں گا۔ ہے کوئی مائی کا لال؟"
لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔
بوٹے نے بھورے بالوں والے ایک نوجوان کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا "اوئے شرم کرو۔ بدمعاشوں سے ڈرتے اور شریفوں کی مٹی پلید کرتے ہو۔"
"بھائی صاحب، میں نے تو آپ کو کچھ نہیں کہا" نوجوان کسمسایا "برائے مہربانی میرا گریبان چھوڑ دیں۔"
ایک قدرے مضبوط قسم کا آدمی آگے بڑھا اور بوٹے کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "اوئے۔ چھوڑ اس کا گریبان، یہاں بدمعاشی نہیں چلے گی۔"
بوٹے نے نوجوان کا گریبان چھوڑ دیا اور دوسرے شخص کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے بولا "آج کل تو بدمعاشی ہی چلتی ہے۔ ... اگر تیرے اندر زیادہ طاقت ہے تو تو آجا مقابلے پر، یہ لے پکڑ ڈنڈا!" اس نے ڈنڈا اس کی طرف اچھالا۔
مذکورہ شخص بوٹے کا تھپڑ کھا کر بری طرح تلملا اٹھا تھا۔ اس نے ڈنڈا اٹھالیا اور بڑی پھرتی سے بوٹے کی پیٹھ پر وار کیا۔ بوٹا اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔
"ایک اور مار" اس نے کہا۔
ڈنڈا بردار نے ایک اور وار کیا۔ اس دفعہ بوٹے نے کچھ تکلیف محسوس کی تاہم اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا اور خوفناک انداز میں اپنے مدمقابل کی طرف بڑھنے لگا۔
"اب میری باری ہے" اس نے کہا "ذرا سنبھل جا"
ڈنڈا بردار گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ بوٹا بڑے سکون سے دو چوٹیں برداشت کر گیا تھا۔
بوٹے نے اس کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر پھینک دیا اور اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ تھپڑ کھا کر اس شخص کا دماغ گھوم گیا۔ اور اوپری ہونٹ سے خون رسنے لگا۔ وہ تیزی سے باہر بھاگ گیا۔
"اب کس کی باری ہے؟" بوٹے نے دیگر لوگوں کی طرف

دیکھا۔

لوگ آہستہ آہستہ وہاں سے کھسکنے لگے۔

مولوی غلام رسول بے چینی سے ہاتھ مل رہا تھا اور بار بار دروازے کی طرف دیکھتا تھا۔ بشارت علی اپنی موٹر سائیکل پر پولیس کو بلانے کے لئے جا چکا تھا اور جلد ہی واپس آنے والا تھا۔

"تم لوگ چلو یہاں سے" بوٹے نے باقی لوگوں سے کہا۔ "یہاں کوئی تماشا نہیں ہو رہا ہے۔ یہ لین دین کا معاملہ ہے۔"

مولوی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا "تت ... تم میرے گھر میں کسی پر حکم نہیں چلا سکتے۔"

"میں تو درخواست کر رہا ہوں قبلہ مولوی" بوٹے نے کہا۔ "اگر تو سمجھتا ہے کہ ان کی موجودگی سے تجھ کو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو پھر انہیں اندر بیٹھک میں بٹھالے۔"

اتنے میں تاج دین حوالدار وہاں پہنچ گیا۔ وہ بشارت علی کی موٹر سائیکل پر آیا تھا اور اکیلا تھا۔ جو لوگ باہر نکل گئے تھے وہ بھی اندر آ گئے۔

"ہاں جی مولوی صاحب، کیا معاملہ ہے؟" تاج دین نے پوچھا "سنا ہے ادھر کوئی بلوہ شلوہ ہو گیا ہے۔"

"بلوائی یہ کھڑا ہے" مولوی نے بوٹے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس بدمعاش نے آج پھر ہنگامہ کیا ہے۔ یہ سب لوگ اس بات کے گواہ ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ مداخلتِ بے جا کا مُرتکب ہوا ہے۔ زبردستی میرے گھر میں گھسا، میری داڑھی کھینچی۔ تین چار آدمیوں کو زخمی کیا، گالیاں نکالیں اور دھمکیاں بھی دیں۔ اسے ہتھکڑی لگا کر تھانے لے چلیں، میں گواہوں کو لے کر وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

"اوئے بوٹے لوہار، تو نے مولوی صاحب کا ہی دروازہ دیکھ لیا ہے!" تاج دین نے بظاہر غصے سے کہا۔ "تیری مرضی کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تیرا دماغ ٹھکانے پر نہیں رہا۔"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا جی۔" بوٹا مسکین بن گیا۔ "میں اپنے پیسے لینے آیا تھا۔ اس جوان نے میرا گریبان پکڑا، اس شیخ نے میری پسلیوں میں مُکا مارا، ایک آدمی نے مجھے دو ڈنڈے مارے، مولوی نے مجھے بدمعاش کہا..... اور ابھی آپ کے سامنے بھی کہا ہے۔ میں نے تو اپنے بچاؤ میں ہاتھ پیر چلائے تھے۔ بے شک ان لوگوں سے پوچھ لیں۔"

تاج دین ہولے ہولے سر ہلانے لگا "یہ تو واقعی بلوے کا کیس لگتا ہے۔ شیخ صاحب، آپ تو ماشاءاللہ سے بڑے سنجیدہ آدمی ہیں۔ آپ نے اس کی پسلیوں میں مُکا کیوں مارا؟"

شیخ سمجھ گیا کہ اب بات وہ نہیں جو پہلے تھی۔ اس نے جواب دیا "یہ ...... اپنے مولوی صاحب شور مچا رہے تھے۔ میں سمجھا، بوٹے نے ان کا کوئی نقصان کر دیا ہے، اس لئے میں نے اس کو مُکا مار دیا لیکن میرے مُکے سے اس جیسے آدمی کا کیا جاتا ہے۔ بعد میں اس نے میرا گریبان....."

تاج دین، نوجوان کی طرف مڑا "تم نے بوٹے خان کا گریبان پکڑا تھا؟"

نوجوان گڑبڑا گیا "لو جی، آپ نے تو ہم لوگوں کی انکوائری کرنی شروع کر دی۔"

"اوئے، میرے سوالوں کا جواب دو۔ آگے سے جرح نہیں کرو۔"

نوجوان گھبرا کر بولا۔ "مم ... میں بھی وہی سمجھا تھا جو شیخ صاحب سمجھے تھے۔ اس لئے..... میں اسے باہر نکالنا چاہتا تھا۔"

"آپ دونوں ادھر کھڑے ہو جائیں۔" حوالدار نے شیخ اور نوجوان سے کہا۔ پھر پوچھا "ڈنڈے کس نے مارے تھے؟"

وہ شخص اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ صورتِ حال پلٹتے دیکھ کر باہر جانے لگا۔ بوٹے نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا، بولا "یہ ہے ڈنڈے باز۔ اس نے مجھے دو ڈنڈے مارے تھے۔"

ڈنڈے باز بولا "اس نے تھپڑ مار کر میرا جبڑا ٹیڑھا کر دیا ہے۔ یہ دیکھیں۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟" حوالدار تاج دین نے پوچھا۔

"مختار احمد۔"

"تم نے اس کو دو ڈنڈے کیوں مارے تھے؟"

"اس نے خود کہا تھا۔ مجھے للکارا تھا اور یہ دیکھیں جی اس نے تھپڑ مار کر میرا ہونٹ پھاڑ دیا۔ ایک آدھ دانت بھی ہل گیا ہو گا۔"

"تم بھی ادھر آ جاؤ۔ تم تینوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔" حوالدار نے کہا اور مولوی کی طرف مڑا "مولوی صاحب، یہ قرضے کی کیا بات ہے؟"

"کمال ہے بھئی۔" مولوی نے برہمی سے کہا "آپ تو الٹا ہم لوگوں کو ڈانٹ رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں ایک معزز حیثیت کا آدمی ہوں۔ اعلیٰ افسران سے میرا ملنا جلنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی یہ پیٹی اتر جائے۔"

"آپ میری پیٹی کی فکر نہ کریں مولوی صاحب۔ اگر آپ نے اس غریب کے پیسے دینے ہیں تو دے کر بات ختم کریں۔"

"میں نے اس کے کوئی پیسے نہیں دینے۔"

بوٹے نے شیخ سجاد علی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "گواہ یہ کھڑا ہے جی۔ اس کے سامنے مولوی نے پانچ ہزار روپے دینے کا اقرار کیا ہے۔"

حوالدار کے استفسار پر شیخ نے بتایا کہ مولوی نے پانچ ہزار روپے دینے کا اقرار کیا تھا۔

حوالدار، مولوی کو ایک طرف لے گیا اور دھیمی آواز میں بولا "مولوی صاحب، بوٹا اونچی سفارش لایا ہے۔ چار روز پہلے یہ

رانا صاحب کے پاس جا کر رویا پیٹا تھا' انہوں نے انچارج صاحب کو اس کی دادرسی کے لئے کہا ہے۔"

"رانا صاحب کے پاس ہم بھی جاسکتے ہیں۔"

"اچھا جی' پھر آپ کی مرضی۔ آپ بھی کوشش کرکے دیکھ لیں۔"

بوٹا آگے بڑھا اور مولوی کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا "مولوی' میں چار روز بعد پھر آؤں گا۔ میرے دس ہزار روپے تیار رکھنا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

بات ختم کرتے ہی وہ باہر نکل گیا۔ کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

"حوالدار صاحب' یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔" مولوی نے برہمی سے کہا "یہ کمینہ لوہار بدمعاشی پر اتر آیا ہے۔ اگر پولیس نے اس کا کوئی بندوبست نہیں کیا تو یہ شرفاء کا جینا حرام کردے گا۔"

"مولوی صاحب' کمینے آدمی کے زیادہ منہ نہیں لگنا چاہئے۔ آپ کی شکایت پر ہم نے تین روز تک اس کی بڑی پھینٹی لگائی مگر اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا' پتا نہیں کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ ہم اس کو دوبارہ پکڑ سکتے ہیں۔ سال چھ مہینے کے لئے جیل بھی بھجوا دیں گے لیکن اس سے کسی کا بھلا نہیں ہوگا۔ جیل میں رہ کر یہ زیادہ خطرناک بدمعاش بن جائے گا۔ آپ بال بچے دار آدمی ہیں۔ ایسے آدمی کی دشمنی مول نہ لیں۔ اس کا قرضہ ورضہ ادا کرکے جان چھڑا لیں۔ شیخ صاحب' آپ بھی گھر جائیں اور آئندہ قانون ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کریں۔ بشارت علی' بندے کو ٹھنڈا مزاج رکھنا چاہئے۔ مختار احمد' آئندہ ڈنڈے بازی سے پرہیز کرنا۔ ڈنڈے چلانے سے مسئلے حل نہیں ہوا کرتے۔"

اگلے روز پورے علاقے میں بوٹے لوہار کی غنڈہ گردی اور پولیس کی فرض شناسی کا چرچا ہو رہا تھا۔

○☆○

تین روز کے بعد بوٹا لوہار' تاج دین حوالدار کے ہمراہ تھانے دار کے کمرے میں موجود تھا۔

تھانے دار بوٹے کو اس کی "ڈیوٹی" سمجھا رہا تھا۔

"رانا صاحب کے بندوں کو سات خون معاف ہیں۔" اس نے بات ختم کرکے کہا۔ "اور تم رانا صاحب کے خاص بندے بن چکے ہو۔"

بوٹا سر کھجاتے ہوئے بولا "لگتا ہے میں چکی کے دو پاٹوں میں پھنس گیا ہوں۔ کسی دن پس جاؤں گا۔"

"فکر نہیں کرو' سب ٹھیک ہوجائے گا۔" تھانے دار نے کہا "آہستہ آہستہ تم سارے گر سیکھ جاؤ گے۔ ایک بات خاص طور پر یاد رکھو۔ اپنے راز کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا۔ لوگوں کو یہ نہیں پتا چلنا چاہئے کہ تم تھانے دار کے یا رانا صاحب کے خاص بندے ہو۔"

"بہت اچھا جناب!"

"اور ہاں' بھتہ روز کے روز وصول کرنا ہے۔ اس معاملے میں تاج دین تمہیں سارا حساب کتاب سمجھا دے گا کہ کس سے کتنا بھتہ وصول کرنا ہے اور سنو' اس معاملے میں ایک پائی کی بھی بے ایمانی نہیں ہونی چاہئے۔"

"اس بات کی آپ فکر نہ کریں۔" تاج دین نے کہا "بوٹا آدمی بہت کھرا ہے۔ ایک پیسے کی بھی ہیرا پھیری نہیں کرے گا۔"

بوٹا سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر کے بعد بولا "آپ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے علاقے کے غنڈے اور بدمعاشوں پر بھی نظر رکھنی ہے۔ ...شریف بدمعاشوں پر بھی نظر رکھنی ہے۔ جھگڑے ٹنٹے بھی نمٹانے ہیں۔ بھتہ بھی وصول کرنا ہے اور حساب کتاب بھی رکھنا ہے۔ اتنے سارے کام کرنے کے بعد میں اپنا کام کس وقت کروں گا؟"

"بوٹے خان' تم واقعی بہت سیدھے آدمی ہو۔" تاج دین نے کہا۔

تھانے دار نے کہا "جو بھتہ تم وصول کرو گے اس میں تمہارا حصہ بھی ہوگا اور اچھا خاصا ہوگا۔"

"دکان بے شک چلاتے رہنا۔" تاج دین نے کہا "لیکن اسے لوہار خانے کے بجائے آہستہ آہستہ ہارڈ ویئر اسٹور بنالینا اور ایک نوکر رکھ لینا۔"

"کون سا اسٹور؟"

"ہارڈ ویئر اسٹور۔ میرا مطلب ہے لوہے کی بنی بنائی چیزیں دکان میں ڈال لینا۔"

"اتنا پیسہ کہاں سے آئے گا؟"

"پیسہ تو اتنا آئے گا کہ تم سنبھال نہیں سکو گے۔" تھانے دار نے کہا "اور کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی بھی کرلو۔"

شادی کا ذکر سنتے ہی بوٹے کو مولوی غلام رسول کی بیٹی صادقہ یاد آگئی۔

تھانے دار سے بات ختم کرنے کے بعد بوٹا' تاج دین کے ہمراہ باہر نکلا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھے۔ جب وہ گیٹ کے قریب پہنچے تو دوسری طرف سے مولوی غلام رسول آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ بوٹے اور تاج دین کے "گٹھ جوڑ" کے بارے میں رپورٹ کرنے آیا تھا۔ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ دونوں نے واقعی گٹھ جوڑ کرلیا تھا۔ تاہم اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ گٹھ جوڑ اوپر تک تھا۔

○☆○

مسجد کی داہنی جانب' یعنی شمال کی سمت میں ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں پھولوں کے پیڑ اگے ہوئے تھے۔ باغیچے سے پرے مولوی غلام رسول کا گھر تھا۔ اس کے گھر تک پہنچنے کے دو

راستے تھے۔ ایک راستہ گلی کی طرف سے اور دوسرا مسجد کے گیٹ کی طرف سے تھا۔

اس وقت رات کے ساڑھے دس بجے تھے اور مسجد کا گیٹ اندر سے بند تھا۔ بوٹے نے اوپر سے گھوم کر گلی کی طرف جانے کے بجائے دیوار پھاندنا زیادہ آسان سمجھا۔

دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔ بوٹا آواز کئے بغیر اندر کود گیا اور باغیچے کی باڑھ کے ساتھ چلتا ہوا آگے بڑھا۔ باغیچے میں تاریکی اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ جب وہ مولوی کے دروازے سے کچھ فاصلے پر رہ گیا تو اس کے کانوں میں کسی لڑکی کی کھی کھی کرنے کی آواز آئی۔ وہ رک گیا اور آواز کی سمت کا تعین کرنے کی کوشش کرنے لگا اور اس میں اسے زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ ...آواز باغیچے کے اس حصے سے آرہی تھی جو مولوی کے دروازے کے عین سامنے تھا۔ کھی کھی کے علاوہ وہاں سے کھسر پھسر کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

بوٹا بے آواز چلتا ہوا آگے بڑھا اور نہایت پھرتی سے باڑھ پھاند کر محبت کے دو متوالوں کے سر پر پہنچ گیا۔

لڑکی کے منہ سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی اور وہ اپنی جگہ ساکت ہوگئی۔ لڑکے نے اوہ..... کہا اور بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر بوٹے نے لپک کر اس کی گردن دبوچ لی۔ پھر وہ آگے بڑھا اور لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

تاریکی کے باوجود اس نے دونوں کو پہچان لیا۔

لڑکی، مولوی کی بیٹی صادقہ اور لڑکا ان کا پڑوسی بشارت علی تھا۔ دونوں بوٹے کی گرفت میں بری طرح سہمے ہوئے تھے۔

"تو یہاں یہ چکر چل رہا ہے۔" بوٹے نے کہا "محلے والوں کو اکٹھا کرنا پڑے گا۔ تیرا نام بشارت علی ہے نا؟"

"جج..... جی ہاں۔" بشارت علی اپنی آواز دھیمی رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "بوٹے خان صاحب، خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں تو ابھی ایک منٹ بھی نہیں ہوا۔"

"ہوں ں ں..... ایک منٹ بھی نہیں ہوا! میں نہ آتا تو ایک گھنٹا بھی گزر جاتا۔ کیوں ری چھوکری، بلاؤں تیرے باپ کو؟"

صادقہ جو بوٹے کی گرفت میں کانپ رہی تھی، ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی "میرے ابا کو نہیں بلانا اور جو سزا چاہے دے لو۔"

"تو چلو پھر تھانے۔ تم دونوں کا وہیں پر فیصلہ ہوگا۔"

"خدا کے لئے ہمیں تھانے لے کر نہ جانا۔" بشارت علی نے کہا۔ "اس لڑکی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔"

بوٹے نے بشارت علی کی کمر پر ایک ہاتھ جمایا، بولا "تیری زندگی برباد نہیں ہوگی۔ تو لوہے کا بنا ہوا ہے۔"

"جی ہاں، جی ہاں۔ میری زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔ ہم دونوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ میں..... میں آپ کو جرمانہ دینے کو تیار ہوں جی۔"

بوٹے کو ان کی منت سماجت میں بڑا مزہ آرہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کوئی شخص اس کی گرفت میں کانپ رہا تھا۔ اس نے صادقہ کے ریشمی بال بدستور پکڑے رکھے تھے اور اس کی کپکپاہٹ سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"کیا جرمانہ دینے کو تیار ہو؟" اس نے پوچھا

"پپ.... پانچ سو روپے۔" بشارت علی نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "پورے پانچ سو روپے۔"

"پانچ سو تو بہت کم ہیں۔ کم از کم ایک ہزار روپے۔"

"اس وقت میرے پاس صرف پانچ سو روپے ہیں۔ پانچ سو کل دے دوں گا۔"

"نکال پانچ سو۔" بوٹے نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ بشارت علی نے سو روپے والے پانچ نوٹ نکال کر بوٹے کے ہاتھ پر رکھے اور بولا "اب اس کو بھی چھوڑ دیں۔"

"اس کا جرمانہ الگ ہوگا۔"

"مم.... میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔" صادقہ منمنائی۔

"تیرے باپ نے میرے دس ہزار روپے دینے ہیں۔"

بوٹے نے پانچ سو روپے جیب میں رکھے اور بشارت علی کی گردن دوبارہ پکڑ لی۔ "پیسے وصول کرنے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ آؤ اس سے بات کرتے ہیں۔"

"بوٹا صاحب، میں سچ بتاتی ہوں، ہمار منگنی ہونے والی ہے اگر ابا کو یہ بات معلوم ہوگئی تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"او چھوکری، مجھے تو تیری عمر دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔ ایسی چھوٹی سی عمر میں یہ حرکتیں! اور تو اپنی منگنی کی بات بھی خود کرتی ہے!"

"بوٹے صاحب، معاف کر دیں۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہوگی۔" صادقہ نے کہا۔ "میرے پاس سونے کی یہ بالیاں ہیں۔ یہ لے لیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔"

اچانک بوٹے کے دل میں ایک عجیب خیال آیا۔ وہ دونوں کو کھینچتا ہوا مولوی کے دروازے پر لے گیا اور زور سے دستک دی۔ صادقہ نے رونا شروع کر دیا اور بشارت علی خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ لمحہ بھر کے بعد دروازہ کھلا اور مولوی نے باہر دیکھا۔ چونکہ وہ روشنی سے آیا تھا اس لئے فوری طور پر اپنی بیٹی اور بشارت علی کو پہچان نہیں سکا تاہم بوٹے کو پہچان گیا۔

"دیکھو بوٹے، ابھی میرے پاس پیسے نہیں ہیں" اس نے کہا۔

"مولوی، پہلے ان کو پہچانو۔" بوٹے نے صادقہ اور بشارت علی کو اس کے سامنے کیا۔ "یہ ادھر باڑھ کے پیچھے بیٹھے کہانیاں ڈال رہے تھے۔ میں ان کو تھانے لے جا رہا ہوں۔"

مولوی نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔

"یہ..... یہ جھوٹ ہے جی۔" بشارت علی نے کہا "میں تو

"ایسے ہی..... ادھر سے گزر رہا تھا کہ ....."

بوٹے نے اسے ایک ٹھڈا مارا' بولا۔ "اوئے' اتنی جلدی بھول گئے۔ تم نے جو رشوت مجھے دی ہے وہ ابھی میری جیب میں ہی رکھی ہے۔ کیوں چھوکری' اس نے مجھے کتنی رشوت دی ہے؟"

"پ..... پانچ سو روپے۔"

"اور تم نے کیا چیز دینے کی بات کی تھی؟"

"اپنی..... سونے کی بالیاں....."

"مولوی' اب شور کیوں نہیں مچاتے؟ محلے والوں کو اکٹھا کیوں نہیں کرتے؟ پتا تو چلے کہ تم کتنے سچے اور عزت دار ہو۔"

"اندر آجاؤ' اندر آجاؤ۔" مولوی نے ادھر ادھر دیکھا۔ "اور ان دونوں کو چھوڑ دو۔"

"پہلے رقم کی بات کرو۔" بوٹے نے کہا "تم نے میرے باپ سے رقم ادھار لی تھی یا نہیں؟ رسید پھاڑ کر پھینکی تھی یا نہیں؟"

"ہاں' ہاں۔ لی تھی.... لی تھی رقم۔ رسید بھی پھاڑی تھی۔ اندر آجاؤ..... اندر آکر بات کرو۔ میں تمہاری ساری باتیں سننے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم دونوں نے سنا' مولوی نے کیا کہا ہے؟"

"ہاں سنا ہے" دونوں نے بیک زبان کہا۔

بوٹے نے دونوں کو چھوڑ دیا۔

مولوی نے صادقہ سے کہا "اندر چل۔ تیرا تو میں ابھی اندر آکر بندوبست کرتا ہوں۔"

"ٹھہرو۔" بوٹے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم اس کا کوئی بندوبست نہیں کرو گے۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"کیا تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے؟"

"وہ سب سچ ہے لیکن قصور تمہارا ہے۔ پتا نہیں تم کتنے چندے' صدقے اور غریبوں کے غصب شدہ مال اپنی اولاد کو کھلا چکے ہو۔ اس کا یہی اثر ہونا تھا۔ نیم کے بیج بونے سے بیریاں نہیں اگا کرتیں۔ بندوبست کرنا ہے تو اپنا کرو۔"

"بوٹے خان صاحب' میرے پانچ سو روپے تو واپس کردو۔" بشارت علی نے کہا

"ابھی ذرا صبر کرو۔ مولوی' مجھے اپنی رقم اسی وقت چاہئے۔ ورنہ میں ان دونوں کو تھانے لے جاؤں گا"

مولوی کو تھانے میں اس بات کا خوب اندازہ ہوگیا تھا کہ بوٹا اب ایک مسکین لوہار نہیں رہا تھا۔ اس نے تھانے دار کو بھی اس کی طرف داری کرتے ہوئے پایا تھا۔ وہ اندر گیا اور تین ہزار روپے لاکر بوٹے کے ہاتھ پر رکھ دیے' بولا "اس وقت میرے پاس صرف یہ تین ہزار روپے ہیں' باقی دو ہزار روپے بعد میں دے دوں گا۔"

"دو ہزار نہیں سات ہزار روپے" بوٹا تین ہزار روپے جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ "اور مجھے سات ہزار روپے کی رسید چاہئے۔ یہ دونوں اس پر گواہ کے طور پر دستخط کریں گے۔"

"دیکھ بوٹے' اب تو بدمعاشی پر اتر آیا ہے۔"

"مولوی' ایک بات تو بتا۔" بوٹا' مولوی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "شریف اور مسکین بوٹے لوہار کے ساتھ تو نے کیا سلوک کیا تھا؟ اس کو بدمعاش کس نے بنایا؟ اگر تو میرے پانچ ہزار روپے کھا جاتا تو مولوی کا مولوی ہی رہتا۔ لیکن میں نے پانچ ہزار مانگ لئے تو میں بدمعاش بن گیا۔"

"پچھلی باتوں کو چھوڑو' جو بنتا ہے وہ لے لو۔"

"اگر حساب کرو گے تو زیادہ ہی بنیں گے۔"

"میں نے تیرے باپ سے صرف پانچ ہزار لئے تھے۔"

"لوگ پانچ ہزار روپے پر پانچ سو روپے مہینہ سود لیتے ہیں۔" بوٹے نے برہمی سے کہا۔ "تجھے قرضہ لئے ہوئے ایک سال سے اوپر عرصہ ہوچکا ہے۔ ایک سال کا چھ ہزار روپے سود لگالے۔ پھر تو نے مجھے جو ذلیل کیا' اس کے پیسے بھی لگالے۔ جو پولیس سے چھترول لگوائی اس کا ہرجانہ بھی دے۔ میں انسان ہوں۔ ڈھور ڈنگر نہیں ہوں۔ آج میں بدمعاش بن کر تیرے پاس آیا ہوں تو تجھے میرے باپ کا قرضہ بھی یاد آگیا اور رقم بھی نکل آئی۔ اوئے اب میں بوٹا بدمعاش ہوں۔ بوٹا لوہار ادھر تیرے دروازے پر ہی مرگیا تھا۔ سات ہزار کی رسید دیتا ہے یا لے جاؤں ان دونوں کو تھانے؟"

بوٹے کی آواز اونچی ہوتی جارہی تھی۔ مولوی نے گھبرا کر کہا "چپ ہوجا' چپ ہوجا۔ دیتا ہوں رسید' ابھی دیتا ہوں۔"

"رسید پر لکھو کہ تم نے بوٹے خان سے سات ہزار روپے ادھار لئے ہیں۔ بوٹا لوہار نہ لکھنا' وہ مرچکا ہے۔"

مولوی اندر جاکر رسید لکھ لایا۔ بوٹے نے بشارت علی سے رسید پڑھوائی پھر اس سے اور صادقہ سے بطور گواہ دستخط کروائے اور رسید تہہ کرکے جیب میں رکھ لی۔

"مجھے سات دن کے اندر اندر رقم مل جانی چاہئے۔ ورنہ میں تیری داڑھی مونڈھ دوں گا۔" اس نے کہا اور بشارت علی کی طرف مڑا "بشارت علی' کل رات کے نو بجے میں تیرا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا' پانچ سو روپے تیار رکھنا اور ایک بات اور سن لے' اگر میں نے آئندہ تجھے اس لڑکی کے آس پاس دیکھ لیا تو پھر تیری خیر نہیں۔ میں تجھے سڑک پر ننگا کرکے جوتے لگاؤں گا۔"

بشارت علی اس بات کو پروانہ رہائی سمجھا اور بہ عجلت وہاں سے کھسک گیا۔ اسے معلوم تھا کہ بوٹے کے جاتے ہی مولوی اس پر برس پڑے گا۔

○☆○

بوٹا لوہار احمق اور بے خبر آدمی تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ دنیا میں کیا ہورہا تھا' ملک کے کیا حالات تھے' اس کے اپنے علاقے کے کیا مسائل تھے۔ وہ بے پناہ جسمانی طاقت کے باوجود

غربت اور سنے سنائے عقائد کی پابندیوں میں جکڑا ہوا تھا۔
لیکن جب مولوی غلام رسول نے اس کے پیسے کھانے کی کوشش کی تو وہ عقائد کی پابندیوں سے آزاد ہوگیا۔
جب رانا غلام دستگیر نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو غربت کی دہشت دھوئیں کی مانند غائب ہوگئی۔
جب پولیس نے اسے اپنا بھتا ایجنٹ مقرر کیا تو اس کی شرافت پانی کے بلبلے کی طرح غائب ہوگئی۔
اور جب اس نے اپنی وحشیانہ طاقت کو اپنے جیسے غریبوں پر استعمال کرنا شروع کیا تو اس کے اندر ایک سفاک انسان نے جنم لینا شروع کردیا۔ جب غریب لوگ اس کے سامنے منت سماجت کرتے تو وہ عجیب سی لذت محسوس کرتا۔
دو روز کے بعد بھتہ وصول کرنے کے دوران اس کی نظر مختار احمد نامی اس شخص پر پڑی جس نے اس پر ڈنڈا چلایا تھا۔ وہ ایک کپڑے کی دکان میں گدی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دکان میں دو نوکر بھی نظر آرہے تھے۔
بوٹا جھومتا جھامتا دکان میں داخل ہوا اور نوکر سے کہا "اوئے کوئی کپڑا دکھا۔ کوئی اچھا سا کپڑا کرتہ شلوار کے لئے۔"
مختار احمد نے ملازم کو ہاتھ سے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا، اس کو چلتا کرنے کی کوشش کرو۔ ملازم نے ایک گھٹیا قسم کا کپڑا نکال کر بوٹے کے سامنے پھیلا دیا، بولا "یہ لیں جناب، بڑی عمدہ چیز ہے۔ قیمت بھی کم ہے۔"
بوٹے نے ایک نظر دیکھا اور پرے اچھال دیا اور بولا۔ "اوئے کھدر کو پرے پھینک، کوئی بوسکی شوسکی دکھا۔"
"بوسکی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔"
"بوسکی نہیں ہے تو کوئی اور اچھی چیز دکھا۔ پہن کر بندے کی کوئی ٹور شور تو نظر آئے۔"
"ہے تو سہی...... پر بڑا مہنگا کپڑا ہے۔" ملازم نے کہا۔ "آپ اگلی دکان پر دیکھ لیں۔ وہاں سستا اور اچھا کپڑا ــــــ"
"مجھے سستا کپڑا نہیں چاہئے۔" بوٹے نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر تخت پر پھینکی "پیسوں کی فکر نہ کر۔"
مختار احمد نے ایک نیلے رنگ کا تھان نکلوایا اور اسے کھولتے ہوئے بولا۔ "یہ ولایتی مال ہے، قیمت اس کی کچھ زیادہ ہے۔"
وہ بوٹے سے نظر چرا کر بات کر رہا تھا اور یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے پہلے کبھی ملاقات نہ ہوئی ہو۔ بوٹے نے بھی شناسائی کا کوئی اظہار نہیں ہونے دیا اور کپڑے کی قیمت پوچھی۔
مختار نے مارکیٹ سے دس روپے زیادہ قیمت بتائی۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ بوٹا وہاں سے ٹل جائے۔
"قیمت زیادہ معلوم ہوتی ہے" بوٹا کپڑے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "کون سے ملک کا بنا ہوا ہے؟"
"انگلینڈ کا ہے۔" مختار نے جواب دیا۔ اس کا خیال تھا کہ بوٹا ان پڑھ ہے اور لیبل نہیں پڑھ سکے گا۔ لیکن بوٹا لیبل پر "پاکستان" پڑھ چکا تھا۔
"اس میں رنگ کون کون سے ہیں؟" اس نے پوچھا۔
مختار نے ریک میں لگے ہوئے تھانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ سات رنگ ہیں لیکن قیمت کم نہیں ہوگی۔"
بوٹے نے چار رنگ پسند کئے اور ان میں سے ایک ایک سوٹ کا کپڑا کاٹنے کے لئے کہا۔
مختار احمد متذبذب نظر آنے لگا۔ اسے یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ بوٹا بھتا وصول کرتا تھا اور پیسوں کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں تھی۔
"آپ ایسا کریں...... اگلی دکان سے کپڑا خرید لیں۔" مختار نے کہا۔ "اس کوالٹی کا پاکستانی کپڑا آپ کو سستا مل جائے گا۔"
"کیا بات ہے، یہ مال بیچنے کے لئے ہے یا دکھانے کے لئے؟" بوٹے نے کہا۔ "مجھے یہی چیز چاہئے۔"
"اچھا...... جیسے آپ کی مرضی۔" مختار نے رف کاغذ پر حساب جوڑتے ہوئے ملازم کو کپڑا کاٹنے کے لئے کہا اور بوٹے سے رقم ادا کرنے کے لئے کہا۔
بوٹے نے نوٹ گن کر اس کے سامنے پھینکے اور رسید بنانے کے لئے کہا۔ مختار نے پیسے گلے میں ڈالے اور رسید بنانے لگا۔
"اس پر یہ بھی لکھ دینا کہ کپڑا انگلینڈ کا بنا ہوا ہے۔"
"اس کی کیا ضرورت ہے جی؟"
"ضرورت تو کوئی خاص نہیں ہے۔" بوٹے نے چالاکی سے کہا "ذرا یار دوستوں پر رعب ڈالنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔"
مختار نے تامل کرتے ہوئے رسید پر "میڈ ان انگلینڈ" بھی لکھ دیا۔ اس اثنا میں ملازم نے کپڑا کاٹ کر پیک کردیا۔
بوٹے نے رسید لی اور بازار سے گزرنے والے دو پڑھے لکھے آدمیوں کو بلا کر اندر لے آیا۔ "باؤ جی! ذرا دیکھنا تو، یہ کپڑا کہاں کا بنا ہوا ہے؟" اس نے کپڑے کا پیکٹ کھول دیا۔
ایک شخص نے کپڑے کی پرنٹ لائن پر نظر ڈالی اور بولا "یہ پاکستان کا کپڑا ہے۔"
"اوئے، یہ کیا چکر ہے؟" بوٹے نے اچانک مختار کا گریبان پکڑ لیا۔ "یہ دیسی مال ولایتی کر کے بیچتے ہو؟"
"ذرا پیچھے ہٹ کر بات کر بوٹے۔" مختار نے گریبان چھڑانے کی کوشش کی "میرا خیال ہے ملازم نے غلط کپڑا کاٹ دیا ہے۔ اگر پسند نہیں ہے تو اپنے پیسے لے لو۔"
"پیسے تو میں ضرور واپس لوں گا، پر پہلے تجھے پولیس کے حوالے کروں گا۔" بوٹے نے مختار کو گدی سے کھینچ لیا۔ "غریب گاہکوں کے ساتھ دھوکا کرتے ہو، چلو تھانے۔"
ملازموں نے مختار کو چھڑانے کی کوشش کی۔ بوٹے نے دونوں کو ایک ایک ہاتھ جما دیا۔ دونوں بلبلاتے ہوئے پیچھے ہٹ

گئے۔

مختار سمجھ گیا کہ مزاحمت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس سے غلطی ہو چکی تھی۔ اس نے کپڑے کی قیمت بھی زیادہ بتائی تھی اور رسید پر "میڈ ان انگلینڈ" بھی لکھ دیا تھا۔ بوٹے نے اسے چالاکی سے پھانس لیا تھا۔ لہٰذا مُک مُکا کرنا زیادہ مناسب تھا۔

"بھائی بوٹے، ادھر ہی مک مُکا کر لو۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔ تھانے لے جا کر کیا کرو گے۔"

بوٹا بھی اس پیشکش کا منتظر تھا۔ اس نے گریبان چھوڑ دیا اور پوچھا "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ہنگامہ دیکھ کر کچھ تماشائی دکان کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ مختار نے انہیں بھگا دیا اور بوٹے کو ایک کونے میں لے جا کر بولا۔ "اپنی رقم بھی لے لو اور کپڑا بھی لے جاؤ۔"

"لاؤ" بوٹے نے سخت لہجے میں کہا "آئندہ ایسی بدمعاشی کی تو اچھا نہ ہوگا۔"

مختار نے گلے سے رقم نکال کر بوٹے کے حوالے کی اور نوکر سے کہا "بشیرے، کپڑا دوبارہ پیک کر دے۔" پھر دل میں کہا۔ 'اوئے کُتّے کی دُم' لوہار کے تخم' تیری بدبختی تجھے اس راستے پر لے آئی ہے۔ تیرا انجام بہت برا ہوگا۔'

بوٹے نے رقم جیب میں ڈالی' کپڑے کا بنڈل بغل میں دبایا اور مختار کا کندھا تھپکتے ہوئے بولا۔ "مختار احمد' میرا نام بوٹا خان ہے' کبھی کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتا دینا' اپنی رانا صاحب سے بھی سلام دعا ہے۔"

مختار احمد جو اپنا نقصان ہوتا دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا' اپنے جوش کو دباتے ہوئے بولا۔ "بوٹے خان' ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے؟"

"بول' کیا بات ہے؟ میں ایک آدھ کڑوی بات بھی سن سکتا ہوں۔"

مختار احمد کچھ سوچنے کے بعد بولا "جس کسی نے تجھے اس کام پر لگایا ہے اس نے اچھا نہیں کیا۔"

چند روز کے اندر بوٹے کا دماغ خوب کھل گیا تھا۔ بہت سی باریک باتیں بھی اس کی سمجھ میں آنے لگی تھیں' بولا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص نے مجھے اس برے کام پر لگایا ہے وہ خود بھی اچھا آدمی نہیں ہے۔"

مختار نے کہا "وہ کوئی سفلہ اور شیطان صفت آدمی ہے۔"

"تو پھر۔" بوٹے نے کہا "مجھے مولوی غلام رسول نے اس کام پر لگایا ہے۔ اس نے میرے پانچ ہزار روپے کھانے کی کوشش کی اور مجھے بدمعاش کہا' مجھے ذلیل کیا' میری پٹائی لگوائی' مجھے پولیس میں دیا۔ صدمے سے میری ماں مر گئی۔ بس اتنی سی بات نے مجھے اس کام پر لگا دیا۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔"

> چارپائی کی سب سے خطرناک قسم وہ ہے جس کے بچے کھچے اور ٹوٹے ادھڑے بانوں میں اللہ کے برگزیدہ بندے محض اپنی قوتِ ایمانی کے زور سے اَٹکے رہتے ہیں۔ اس قسم کے جھلنگے کو بچّے بطور جھولا اور بڑے بوڑھے آلۂ تزکیۂ نفس کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ اونچے گھرانوں میں اب ایسی چارپائیوں کو غریب رشتے داروں کی طرح کونوں کھدروں میں آڑے وقتوں کے لئے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ خود مجھے مرزا عبدالودود بیگ کے ہاں ایک رات ایسی ہی چارپائی پر گزارنے کا اتفاق ہوا جس پر لیٹتے ہی اچھا بھلا آدمی نون غنہ (ں) بن جاتا ہے۔
>
> **مشتاق احمد یوسفی کی "چراغ تلے" سے ایک اقتباس**

بوٹے نے جیب میں سے سات ہزار روپے کی رسید نکال کر مختار کو دکھائی۔ "یہ دیکھو' یہ مولوی کے ہاتھ کی رسید ہے۔ گواہوں میں اس کی بیٹی کے دستخط بھی ہیں۔ اس نے تین ہزار نقد ادا کر دیے ہیں اور سات ہزار جلد ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"یہ پانچ ہزار سے دس ہزار کیسے ہو گئے؟"

"پانچ ہزار روپے حرجانے اور سود کے ہیں"

"میں پھر یہی کہوں گا' یہ اچھا کام نہیں ہے۔"

"مختار احمد' آج کل ہر شخص اپنا گھر بھرنے کی فکر میں ہے۔ تم بھی یہی کام کر رہے ہو' میں بھی یہی کام کرتا ہوں اور سب اپنے اپنے طریقے سے کام کرتے ہیں اگر میرا کام اچھا نہیں ہے تو کسی کا بھی اچھا نہیں ہے اور سنو' آئندہ دیسی مال ولایتی کر کے نہ بیچنا۔" بوٹا... بات ختم کر کے باہر نکل گیا اور مختار احمد نوکروں پر غصہ اتارنے لگا۔

○☆○

چند ہفتوں کے اندر بوٹے لوہار کا پورے علاقے میں رعب بیٹھ گیا۔ تاج دین نے اسے علاقے کے جیب کتروں' چوروں' اچکوں اور ہسٹری شیٹروں سے ملا دیا تھا۔ ان میں سے ایک بھی طاقت میں بوٹے کا ہم پلہ نہیں تھا۔ بوٹے نے تاج دین کی ہدایت کے مطابق ان سب پر یہ [illegible] کر دی کہ چوری اور

لوٹ کے مال کا چوتھا حصہ پوری ایمانداری کے ساتھ اسے پہنچا دیا کریں۔

زیادہ تر مجرموں نے اس کی حیثیت کو تسلیم کرلیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کی ہدایت کے مطابق پولیس کا حصہ اسے پہنچا دیا کریں گے۔ تاہم چند ایک نے اس کی بات پر تیوری بھی چڑھائی۔ ان میں سے ایک کا نام عالم گجر تھا۔ بوٹے سے پہلے وہی بھتہ وصول کرتا تھا اور پولیس رابطے کا کام کرتا تھا لیکن کچھ عرصے سے اس نے ہیرا پھیری شروع کردی تھی۔ وہ پولیس کو پورا حصہ نہیں پہنچاتا تھا۔ نیز پولیس کے حساب سے وہ کچھ اوور ایج بھی ہوگیا تھا اور اس کام کے لئے موزوں نہیں رہا تھا۔ حالانکہ اس کی عمر صرف بیالیس سال تھی اور بہ ظاہر وہ خاصا قوی الجثہ شخص تھا۔ اس نے پہلے ہی دن سے بوٹے کو اپنا حریف سمجھنا شروع کردیا۔ اسے اپنی گدی چھن جانے پر بہت افسوس ہوا تھا۔

تاج دین نے بوٹے کو سمجھا دیا تھا کہ وہ ہر اڈے پر ہفتے میں ایک چکر ضرور لگایا کرے۔ ان اڈوں میں رانا صاحب کی حویلی' تھانہ اور مجرموں کے ٹھکانے شامل تھے۔

عالم گجر ایک کشادہ مکان میں رہتا تھا اور اس کی بیٹھک میں دو چار بدمعاش ہروقت موجود رہتے تھے۔

شام کے وقت بوٹے نے اس کے دروازے پر دستک دی تو عالم گجر نے اندر سے ہی کہلوادیا کہ وہ فارغ نہیں ہے۔

یہ پیغام سن کر بوٹے کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن وہ خاموشی سے پلٹ گیا اور سیدھا تھانے جاکر تاج دین سے ملا۔

"عالم گجر نے آج میری بے عزتی کی ہے" اس نے رسمی کلمات کے بعد کہا "اس نے مجھے دروازے سے لوٹا دیا ہے"

تاج دین ہولے ہولے سر ہلانے لگا۔ "مجھے پہلے ہی خطرہ تھا کہ یہ آدمی اتنی آسانی سے راستہ نہیں دے گا۔ تم نے وہاں کوئی ہنگامہ تو نہیں کیا؟"

"فی الحال تو میں نے کچھ نہیں کیا۔"

"اچھا کیا...... بہت اچھا کیا۔ ایسے آدمی پر بہت سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا چاہئے۔ اس نے مال بہت بنا لیا ہے اور اب ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے۔ انچارج صاحب بھی اس سے بہت پریشان ہیں۔ اس کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔"

"تاج دین! تمہارے اشارے کی ضرورت ہے۔ کہو تو آج ہی اس کو ٹھکانے لگادوں؟"

"اس کے پاس اسلحہ بہت ہے اور اس کے ساتھی بھی اس کو بہت مانتے ہیں۔"

"اب بوٹا خان بھی اکیلا نہیں ہے۔ میری بیٹھک میں بھی بڑی رونق ہوتی ہے"

تاج دین کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا "تم ایسا کرو' کل رات بارہ بجے عالم گجر کے گھر پہنچو' اس وقت وہ عموماً شراب پی رہا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھی بھی نشے میں دھت ہوتے ہیں۔ تم دو تین آدمی اپنے ساتھ لے جانا اور جان بوجھ کر چھیڑ چھاڑ شروع کردینا۔ اگر وہ لوگ اکڑ وغیرہ دکھانے کی کوشش کریں تو ان کی اچھی طرح ٹھکائی کردینا لیکن پہلے ان کا اسلحہ رکھوالینا۔"

"تم فکر نہیں کرو' میں اسلحے سے نہیں ڈرتا۔ ہم بھی اسلحہ ساتھ لے کر جائیں گے۔ چار روز پہلے رانا صاحب نے مجھے ایک کلاشنکوف اور ایک ریوالور دیا ہے۔"

تاج دین نے آنکھیں پھیلائیں "وہ کس لئے؟"

"پریکٹس کرنے کے لئے" بوٹے نے سادگی سے جواب دیا۔ "وہ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں۔ کل ان کے ایک گوریلے کے ساتھ جنگل میں جاکر چاند ماری کرنی ہے۔"

تاج دین فکر مند نظر آنے لگا۔ ایک طویل توقف کے بعد اس نے کہا "دیکھ بوٹے' ابھی تو نیا نیا اس لائن میں آیا ہے ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا۔ ادھر عالم گجر کے گھر اسلحہ لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں کوئی خون خرابہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے ہمارا کام مشکل ہوجاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے' ہم خالی ہاتھ چلے جائیں گے۔"

○☆○

لڑکی سہمی ہوئی ایک کونے میں کھڑی تھی۔ اس نے عجیب قسم کے تکونے ٹاپس پہنے ہوئے تھے۔ اوپر لاجورد کا نگینہ جڑا ہوا تھا اور نچلے دائرے میں کھوپڑی بنی ہوئی تھی۔

عالم گجر کے دو ساتھی اسے ریلوے اسٹیشن سے اغوا کرکے لائے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ ایک مشکوک قسم کے نوجوان کے ساتھ پلیٹ فارم کے تاریک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

عالم گجر کے ساتھیوں نے خود کو پولیس کا آدمی ظاہر کرکے ان سے پوچھ گچھ کرنا شروع کی تو نوجوان موقع پاکر بھاگ گیا اور وہ دونوں' لڑکی کو عالم گجر کے ٹھکانے پر لے آئے۔ لڑکی نے اپنا نام رضوانہ بتایا تھا اور اس سے زیادہ کچھ بتانے پر تیار نہیں تھی۔ وہ بار بار یہی کہتی تھی "مجھے جانے دو' میں شریف لڑکی ہوں۔ میرے گھروالے پریشان ہورہے ہوں گے۔"

اس کے ہینڈ بیگ سے زیورات' نقدی اور کپڑوں کے تین جوڑے برآمد ہوئے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نوجوان کے ساتھ بھاگنے کے ارادے سے گھر سے نکلی تھی۔

عالم گجر اس وقت شراب کے چند جام چڑھا چکا تھا اور خاصا ترنگ میں تھا۔ وہ لڑکی کو رقص کے لئے کہہ رہا تھا۔ ڈیک پر پاپ میوزک بھی بج رہا تھا۔

"استاد' یہ اس طرح ڈانس نہیں کرے گی۔" گجر کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا "مجھے اجازت دے' میں اس کو ایسا ناچ نچاؤں گا کہ تیری طبیعت پھڑک اٹھے گی۔"

"ابے کالیے' چپکا بیٹھا رہ۔" گجر نے کہا "ابھی رات بہت

پڑی ہے۔ ایک دو جام اس کے حلق سے نیچے اتریں گے تو خود ہی ناچنا شروع کردے گی۔" وہ جام ہاتھ میں لئے ہوئے رضوانہ کی طرف بڑھا۔

تب ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ گجر مخمور نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "یہ کون رنگ میں بھنگ ڈالنے آگیا۔ اوئے جیدے، جو کوئی بھی ہے اسے بھگادے۔ بول استاد سو چکا ہے۔"

جیدے نے موسیقی کی آواز دھیمی کردی اور دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ دستک دینے والا بوٹا لوہار تھا۔ اس کے ساتھ نیکا اور جھورا نامی دو بدمعاش بھی تھے۔

جیدا، بوٹے لوہار سے ڈرتا تھا۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "استاد کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سو چکا ہے، تم کل صبح آجانا۔" بات ختم کرتے ہی اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بوٹا اسے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

"ہم بھی استاد گجر کی طبیعت کا پوچھنے آئے ہیں۔" اس نے کہا اور رضوانہ کی طرف دیکھنے لگا "بلے بھئی بلے! ادھر تو بڑی محفل جمی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی مجرا شجرا ہو رہا ہے۔"

اس اثنا میں نیکا اور جھورا بھی اندر پہنچ گئے۔

"کیا بات ہے بوٹے؟" عالم گجر، بوٹے کے سامنے جا ٹھہرا۔ "اس وقت کیا لینے آئے ہو؟"

بوٹے نے گہری نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ سائیڈ ٹیبل پر ایک ہولسٹر رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی ہتھیار نظر نہیں آتا تھا۔ جیدے اور کالیے کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ چاقو یا خنجر کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا۔ بوٹے نے یہ بھی اندازہ لگالیا کہ عالم گجر تھوڑا سا نشے میں تھا۔

"اوئے گجرا، تو ہمارے ساتھ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔" ... بوٹے نے کہا اور آہستہ سے سائیڈ ٹیبل کی طرف ہوگیا۔ "ہم تیری خیریت پوچھنے آئے ہیں اور یہ...... کاکی کون ہے؟"

"دیکھ بے بوٹے لوہار، تیرے میرے ستارے نہیں ملتے۔ تو ادھر سے چلتا پھرتا نظر آ۔"

"میں ستارے ہی ملانے آیا ہوں استاد۔" بوٹے نے کہا اور نیچے سے اس کی کلائی پر ہاتھ مارا۔ گجر کے ہاتھ میں پکڑا ہوا جام اڑتا ہوا دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

گجر تیزی سے ریوالور کی طرف لپکا۔ بوٹے نے اسے اڑنگا لگا کر نیچے گرادیا اور ہولسٹر اٹھا کر نیکے کو تھمادیا۔

لڑکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

جیدا اور کالیا تیزی سے بوٹے کی طرف لپکے۔ بوٹے نے کالیے کے پیٹ میں گھٹنا رسید کیا اور جیدے کے سر پر اوپر سے مکا مارا۔ دونوں کراہتے ہوئے قالین پر ڈھیر ہوگئے۔

اس اثنا میں گجر اٹھ چکا تھا۔ اس نے میز سے شراب کی بوتل اٹھائی اور پوری قوت سے بوٹے کے سر پر وار کیا لیکن بوٹا بروقت جھکائی دے گیا۔ بوتل گجر کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور سیدھی کھڑکی سے جا ٹکرائی۔ کھڑکی کا شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا لیکن بوتل نہیں ٹوٹی۔

گجر اپنے وقت کا چھٹا ہوا بدمعاش تھا اور بیالیس سال کی عمر کے باوجود کمزور نہیں تھا۔ اس کے علاوہ وہ اسٹریٹ فائٹنگ میں بھی ماہر تھا۔ اس نے بوٹے کے پیٹ میں تابڑ توڑ گھونسے مارے اور جب بوٹا درد سے دہرا ہوا تو اس کی کمر پر کہنی سے وار کیا۔ بوٹا گھٹنوں کے بل قالین پر جا پڑا۔ وہ طاقتور ضرور تھا مگر لڑائی کے داؤ پیچ نہیں جانتا تھا۔

گجر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور سینٹر ٹیبل اٹھا کر بوٹے کے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ بوٹے نے نیچے پڑے پڑے گجر کے دونوں پیر کھینچ لئے۔ گجر پشت کے بل نیچے گرا اور میز اس کے اوپر گری۔ میز کا پایہ اس کی کنپٹی پر لگا... جس سے کچھ دیر کے لئے اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔

بوٹا تیزی سے اٹھا، گجر کے دونوں پیر کھینچ کر انہیں صوفے پر ٹکایا اور اپنے پورے وزن کے ساتھ اس کی ٹانگوں پر جا پڑا۔ گجر کے منہ سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ قالین پر تڑپنے لگا۔ غالباً اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

کالیا اور جیدا خوف زدہ نظروں سے بوٹے کی طرف دیکھنے لگے۔ رضوانہ نے دہشت کی وجہ سے دیوار کی طرف منہ کرلیا تھا۔

بوٹے نے کالیے اور جیدے سے کہا "اس کو اسپتال لے جاؤ اور سنو...... ڈاکٹر پوچھے تو کہنا کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔"

"ب.... بہتر استاد۔" جیدے نے کہا۔

"استاد والی بات ٹھیک ہے۔" بوٹے نے کہا "تو بھی سن لے کالیے۔ آج سے میں تمہارا استاد ہوں۔ اگر کسی نے اڑی تڑی کی تو اس کی بھی ایک آدھ ہڈی توڑ دوں گا۔"

دونوں نے عالم گجر کو گاڑی میں ڈالا اور جلدی سے اسپتال روانہ ہوگئے۔

بوٹا، رضوانہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ریشمی شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کی عمر اٹھارہ انیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اب وہ سر گھما کر بوٹے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا منہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور تین دانت نظر آرہے تھے۔ بادی النظر میں وہ ایک کھلنڈری سی لڑکی تھی۔

"اے لڑکی! کیا نام ہے تیرا؟" بوٹے نے پوچھا "تو یہاں کیا کرنے آئی تھی؟"

"میرا نام رضوانہ ہے جی، یہ لوگ مجھے اغوا کرکے لائے تھے۔ اگر آپ یہاں نہ آتے تو پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہوجاتا۔"

"کہاں سے اغوا کیا تھا؟" بوٹے نے پوچھا۔ "تیرے گھر

والوں نے پولیس میں رپٹ کیوں نہیں لکھائی؟"

"مم ..... میں ایک جگہ سے ٹیوشن پڑھ کر آرہی تھی۔" رضوانہ نے جھوٹ بولا "وہ دونوں بدمعاش گلی کے کونے پر دروازہ کھولے ..... میرا مطلب ہے کہ گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑے تھے۔ انہوں نے پکڑ کر مجھے گاڑی میں ڈالا اور یہاں لے آئے مم۔ مجھے جانے کی اجازت ہے جی؟"

بوٹا بڑے غور سے رضوانہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم آدھی رات کے وقت اکیلی گھر جاؤ گی؟"

"تو کیا یہیں پر سو جاؤں؟"

بوٹے کو اس کی بے ساختگی اچھی لگی۔ بولا "ایک طریقہ اور بھی ہے۔ میں تجھے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تیرے گھر والے کچھ انعام وغیرہ ہی دے دیں۔"

"آ..... آپ بہت خطرناک آدمی ہیں۔ میں آپ کو اپنا گھر نہیں دکھا سکتی۔ آپ نے اس دیو کی ہڈی توڑ دی۔ پتا نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔"

بوٹے کو ہنسی آگئی، بولا "تم تو ایسے بات کر رہی ہو جیسے یہ تمہارے اختیار کی بات ہو۔ میں تمہیں گھر پہنچانے کے بجائے تھانے بھی لے جا سکتا ہوں۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی منت کروں؟"

"میرا خیال ہے کہ میں تمہیں اپنے گھر لے چلتا ہوں۔ کل صبح تمہارے بارے میں کچھ سوچوں گا۔"

"استاد، اس سے جان چھڑالو" فیکے نے کہا۔ "مجھے یہ لڑکی بہت خطرناک لگتی ہے۔ ذرا اس کے کانوں کی طرف تو دیکھو، اس نے یہ ٹاپس کیسے عجیب پہن رکھے ہیں۔"

بوٹے نے رضوانہ کے ٹاپس پر نظر ڈالی اور بولا "اوئے میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا۔"

"فیکا ٹھیک کہتا ہے استاد" جھورے نے کہا "اس لڑکی کو جانے دو، خود ہی گھر پہنچ جائے گی۔ عورت کے چکر میں آدمی ہمیشہ مار کھا جاتا ہے۔"

بوٹے نے اپنے ساتھیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور انہیں ایک طرف لے جا کر دھیمی آواز میں بولا "یہ لڑکی مجھے کچھ اچھی لگنے لگی ہے۔"

فیکے نے قہقہہ لگایا۔ بولا "استاد! بات یہ ہے کہ آدھی رات کے وقت میرے تیرے جیسے چھڑے چھانٹ کے پاس کوئی کالی کلوٹی لڑکی بھی آجائے تو وہ بھی اچھی لگنے لگتی ہے۔"

"فیکا ٹھیک کہتا ہے استاد" جھورے نے دوبارہ فیکے کی تائید کی۔ "آدھی رات کے وقت شیطان ہم جیسے بندوں کے ذرا زیادہ قریب آجاتا ہے۔"

"اوئے، ہم خود شیطان ہیں۔" بوٹے نے کہا "ہمارے پاس کسی دوسرے شیطان کو آنے کی کیا ضرورت ہے۔"

تھوڑی دیر پہلے رضوانہ بوٹے کو اپنا نجات دہندہ سمجھ رہی تھی لیکن اب وہ ایک بار پھر خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ بوٹے کی کچھ باتیں اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں اور اس کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ ایک شیطان کے چنگل سے نکل کر دوسرے شیطان کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔

اسے ریحان پر سخت غصہ آرہا تھا جو اسے مصیبت میں چھوڑ کر بزدلوں کی طرح بھاگ گیا تھا۔

وہ ایک متوسط گھرانے کی تعلیم یافتہ لڑکی تھی، اس کی ماں فوت ہو چکی تھی اور باپ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اس کی سوتیلی ماں ناہید بیگم اس کی شادی اپنے چھوٹے بھائی منور علی سے کرنا چاہتی تھی اور رضوانہ کا باپ بھی یہ رشتہ منظور کر چکا تھا۔

منور علی میں بظاہر کوئی خامی نہیں تھی۔ وہ رضوانہ سے سات آٹھ سال بڑا تھا اور ایک پرائیوٹ کمپنی میں ایسوسی ایٹ انجینئر تھا۔ تنخواہ معقول تھی، ترقی کے روشن امکانات تھے اور شکل و صورت بھی ٹھیک ٹھاک تھی لیکن رضوانہ کو دو وجوہ کی بنا پر وہ رشتہ منظور نہیں تھا۔ پہلی اور بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کی سوتیلی ماں کا بھائی تھا، یعنی اس کے باپ کا سالا تھا اور وہ اس عجیب و غریب رشتے کے شخص کو اپنا شوہر تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی سوتیلی ماں اس طریقے سے ان کے گھر پر تسلط جمانا چاہتی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ایک دور کے کزن ریحان کو پسند کرتی تھی اور عجیب بات یہ تھی کہ ریحان بھی ایسوسی ایٹ انجینئر تھا اور منور علی سے جونیئر تھا۔

اس سلسلے میں وہ نجومیوں اور عاملوں کے پاس بھی جا چکی تھی۔ ...وہ پراسرار ٹاپس ایک عامل نے ہی اسے دیے تھے۔ اس نے اس کا زائچہ نکالنے کے بعد کہا تھا۔ "بی بی، آنے والے دس سال تم پر بہت بھاری گزریں گے۔ تمہیں ایک ایسے شخص سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جس کے نام میں "ن" آتا ہے اور ایک دوسرے شخص سے جس کے نام میں "ر" آتا ہے۔ رحمت پہنچنے کا امکان ہے۔ باپ کے گھر میں تمہاری قدر و قیمت ختم ہو چکی ہے۔ ماضی قریب میں سفر وسیلۂ ظفر ثابت ہوگا۔ اپنوں سے دوری اور غیروں سے مجبوری در پیش ہوگی۔"

اس زائچے نے رضوانہ کو فکرمند کر دیا تھا۔ "ن" اس کی سوتیلی ماں ناہید، اس کے بھائی منور علی اور ریحان، تینوں کے نام میں موجود تھا۔ "ر" ریحان اور منور علی، دونوں کے نام میں موجود تھا۔ لہٰذا یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کس سے نقصان اور کس سے راحت پہنچنے کا امکان تھا۔ "سفر اور اپنوں سے دوری" کے الفاظ گھر سے فرار کا اشارہ کر رہے تھے۔

ان دنوں [illegible] کا باپ شادی کی تاریخ طے کرنے میں مصروف تھا اور وہ ریحان [illegible] کا منصوبہ بنا رہی تھی۔

اسے یقین تھا کہ اس کے باپ کو ہنوز اس کی روپوشی کا علم نہیں ہوگا کیونکہ وہ رات کے ساڑھے دس بجے گھر سے نکلی تھی۔

اس وقت گھر کے تمام افراد سو چکے تھے۔ اس نے اپنے بستر پر کمبل لپیٹ کر رکھ دیا تھا اور اوپر چادر ڈال دی تھی۔ فرار کا چانس ابھی موجود تھا۔ وہ ریحان کو اس کے گھر جا کر پکڑ سکتی تھی۔ اسے بزدلی کا طعنہ دے کر دوبارہ چلنے پر مجبور کر سکتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے گھر کا پتا بتانے پر تیار نہیں تھی۔

ادھر بوٹا اپنے ساتھیوں کو سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا "ایک رات یہ لڑکی ہمارے پاس رہے گی اور ایک رات تھانے میں رہے گی۔ اس کے بعد جب یہ گھر پہنچے گی تو بدنامی اس کا مقدر بن چکی ہوگی۔ کوئی شریف خاندان اس کا رشتہ قبول کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ ایسے موقع پر اگر بوٹے کا رشتہ اس کے گھر پہنچے تو اس کا باپ خوشی سے ہاں کر دے گا۔"

"یہ تمہاری بھول ہے استاد" فیکے نے کہا "لڑکی خوبصورت ہے' یہ تمہارا رشتہ منظور نہیں کرے گی۔"

"اس کا باپ بھی منظور کرے گا۔ اپنے رانا صاحب کس دن کام آئیں گے؟ ان کی فرمائش کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔"

جھورے نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "استاد' اگر تم نے اس سے شادی کر لی تو یہ تمہیں نچا دے گی۔ خوبصورت عورت نشے کی طرح ہوتی ہے جو آرام کم اور تکلیف زیادہ دیتی ہے۔ اگر شادی ہی کرنی ہے تو اپنے جیسی کوئی ہیوی ویٹ عورت تلاش کر لو... کوئی چولھا چوکا سنبھالنے والی۔"

"اوئے تو نے میری غیرت کو جوش دلا دیا ہے۔ اب شادی ہوگی تو اسی سے ہوگی۔ پھر دیکھیں گے کون ناچتا ہے۔"

بوٹا واپس پلٹا اور رضوانہ کے پاس جا کر نرمی سے بولا۔

"رضوانہ بی بی' یہ اغوا کا کیس ہے۔ اس کی پولیس میں رپٹ درج کرانی بہت ضروری ہے۔ آج رات تم ہمارے پاس رہو' کل صبح میں تمہیں پولیس کے پاس لے چلوں گا اور فکر نہیں کرو' تھانے میں سب اپنے یار بیلی ہیں۔ تمہارے باپ کا نام اور گھر کا پتا کیا ہے؟" رضوانہ رونے لگی' بولی "میں اپنے گھر کا پتا نہیں بتا سکتی اس طرح میں بدنام ہو جاؤں گی۔"

بوٹے نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اونچی کی' بولا "بات سن کاکی' یہ اس علاقے کے چھٹے ہوئے بدمعاش عالم گجر کا اڈا ہے' جو لڑکی اس اڈے کے پاس سے گزر جائے وہ بدنام ہو جاتی ہے اور تم تو اس اڈے پر پانچ چھ گھنٹے گزار چکی ہو۔"

"نن... نہیں جی' مجھے صرف ایک گھنٹا ہوا ہے۔" رضوانہ نے بے خیالی میں کہا۔

بوٹے نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "صرف ایک گھنٹا! اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے تمہیں گیارہ بجے اغوا کیا تھا۔ اتنی رات گئے تم باہر کیا کر رہی تھی؟"

رضوانہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ بوٹے کو اس کے کپڑے اور زیورات دیکھ کر یقین ہو گیا کہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھی۔ بوٹے نے اس کے ہینڈ بیگ کی تلاشی لی۔ وہ سخت لہجے میں اس سے باز پرس کرنے لگا۔ چند منٹوں کے اندر لڑکی نے ساری کہانی اگل دی۔

بوٹے نے اسے جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "فکر نہیں کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہاری شادی وہیں ہوگی جہاں تم چاہو گی۔ آج رات تم ہمارے پاس رہو۔ کل میں ریحان کو بلا کر تمہاری اس سے بات کرا دوں گا۔"

رضوانہ اس کی باتوں میں آگئی۔ بوٹا اسے اپنے گھر لے گیا اور الگ کمرے میں سلا دیا۔

○☆○

رضوانہ کے باپ کا نام اختر حسین تھا۔ وہ ایک معمولی درجے کا کاروباری شخص تھا۔ اسے صبح کے وقت بیٹی کے فرار کا پتا چلا۔ اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ رضوانہ کے فرار کے معاملے میں خاموشی اختیار کرنا زیادہ مناسب تھا۔

ادھر بوٹے نے تاج دین کو رضوانہ کی پوری کہانی سنائی اور اپنی خواہش بھی بتائی۔ تاج دین نے تھانے دار سے مشورہ کیا۔ تھانے دار نے دو آدمی بھیج کر ریحان کو تھانے بلا لیا۔

ریحان پچیس سال کا ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ اسے

پریشانی کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔ صبح جب پولیس اسے گرفتار کرنے پہنچی تو اسے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ وہ رات بھر پولیس کی آمد کی توقع کرتا رہا تھا۔

تھانے دار نے تاج دین کو ساری بات سمجھا کر ریحان کو اس کے سپرد کردیا۔ تاج دین نے طے شدہ پروگرام کے مطابق پہلے تو ریحان کو تھوڑی سی چھینٹی لگائی۔ پھر کہا "رضوانہ کے باپ نے تیرے خلاف اغوا کی رپٹ درج کرائی ہے۔ لڑکی کہاں ہے؟"

رضوانہ کے بارے میں پولیس کی "لاعلمی" نے ریحان کو پریشان کردیا۔ اس نے فرار کی ساری کہانی سنادی۔

"بچو، تیرا بچنا مشکل نظر آتا ہے۔" تاج دین نے کہا "لڑکی بردہ فروشوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ تجھے لمبی سزا ہو جائے گی۔"

یہ سن کر ریحان کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔

تاج دین نے اسے حوالات میں بند کردیا اور دو روز تک کوئی کارروائی نہیں کی۔

اس عرصے میں بوٹا، رضوانہ کو تسلیاں بھی دیتا رہا اور دہشت زدہ بھی کرتا رہا۔

تیسرے روز رات کے وقت تاج دین، اختر حسین کے گھر پہنچا اور اس سے رضوانہ کے بارے میں پوچھا۔ اس وقت وہ وردی میں تھا اور ایک سپاہی بھی اس کے ہمراہ تھا۔

اختر حسین نے پہلے تو بیٹی کے فرار کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی لیکن جب تاج دین نے چند اندرونی باتیں بتائیں تو اس نے اصل حقیقت بیان کردی۔

تاج دین نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "ہمیں پتا چلا ہے کہ تمہاری بیٹی جرائم پیشہ افراد کے ہتھے چڑھ گئی ہے اور انہوں نے اسے بازارِ حسن میں فروخت کردیا ہے۔"

اختر حسین نے سر جھکا لیا۔ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"رضوانہ نے ریحان نامی نوجوان کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔" حوالدار نے مزید کہا "لیکن وہ بزدل بدمعاشوں کو دیکھ کر بھاگ گیا۔ ہم نے اسے کل ہی گرفتار کیا ہے۔ وہ اس وقت حوالات میں ہے۔"

"غلطی میری بیٹی کی ہے" اختر حسین نے کہا۔ "اب اگر وہ گھر آئی تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔"

"بزرگو، ایسی بات منہ سے نہیں نکالنی چاہئے۔" تاج دین نے کہا "لڑکی چند روز میں برآمد ہو جائے گی۔ اب آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ اس کی شادی کردیں۔"

"اب کون کرے گا اس کے ساتھ شادی؟"

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ میری نظر میں ایک سیدھا سادہ نوجوان ہے۔ میں اسے رضوانہ سے شادی پر راضی کرلوں گا۔ اس کا نام بوٹا خان ہے۔ آپ ایک ہفتے کی تاریخ رکھ دیں۔ امید ہے کہ لڑکی اس سے پہلے ہی برآمد ہو جائے گی۔"

رضوانہ کی سوتیلی ماں بھی کمرے میں موجود تھی۔ اس نے کہا۔ "اگر لڑکی برآمد نہ ہوئی تو ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟"

"ہمیں لڑکی کا ٹھکانہ معلوم ہو چکا ہے۔ کل اس کی بازیابی کے لئے پارٹی روانہ ہو رہی ہے۔ آپ لوگوں پر یہی ظاہر کریں کہ لڑکی کسی رشتے دار کے گھر گئی ہوئی ہے۔"

اس مشورے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اختر حسین اور اس کی بیوی نے یہی مشہور کر رکھا تھا کہ رضوانہ اپنے ماموں کے ہاں گئی ہوئی ہے۔

○☆○

تاج دین، ریحان کو حوالات سے نکالنے کے بعد الگ کمرے میں لے گیا اور اسے دو تھپڑ لگانے کے بعد کہا۔ "اوئے، لڑکی برآمد ہو گئی ہے۔ اس نے تمہارے خلاف بیان دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تم نے اسے گھر سے بھاگنے پر اکسایا تھا۔"

"ہاں جی، اب تو وہ یہی بیان دے گی۔ میں اسے چھوڑ کر بھاگ جو گیا تھا۔"

"لڑکی کا باپ بہت غصے میں ہے۔ وہ تمہیں سخت سزا دلوانا چاہتا ہے۔ لیکن تمہارے بچنے کی ایک صورت ہے۔"

"وہ کیا جی؟"

"تمہیں لڑکی کے روبرو شادی سے انکار کرنا پڑے گا۔ ورنہ اگر کیس چلا تو تمہیں دس سال کی سزا ہو جائے گی۔"

ریحان نے سوچا کہ اگر دس سال کی سزا ہو گئی تو پھر شادی کا کوئی چانس نہیں رہے گا۔ اس لئے اپنا مستقبل برباد کرنے سے یہ زیادہ بہتر تھا کہ شادی سے انکار کردے۔

"ٹھیک ہے، میں انکار کے لئے تیار ہوں۔" اس نے کہا۔

"تمہیں ان الفاظ میں انکار کرنا ہوگا۔" تاج دین نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔ "اختر حسین چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کے دل سے تمہارا خیال نکل جائے۔ وہ چھپ کر تمہاری بات سنے گا۔"

ریحان نے کاغذ پر لکھی ہوئی لائنیں پڑھیں اور آہستہ سے اقرار میں سرہلا دیا۔

تاج دین اسے رات کے دس بجے بوٹے کے گھر لے گیا اور اسے رضوانہ کے کمرے میں بھیج کر خود باہر کھڑا رہا۔ دوسرے دروازے کی اوٹ میں بوٹا کھڑا تھا۔ ریحان نے اس کی تھوڑی سی جھلک دیکھی اور اسے اختر حسین سمجھا۔

"رضوانہ....." اس نے دل پر جبر کر کے کہا "میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"کک.... کیوں ریحان؟" رضوانہ اس کی طرف بڑھی۔

"مجھ سے دور رہو" ریحان نے رٹا ہوا جواب دیا۔ تاہم اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ "تم اوباش لوگوں

کے ساتھ راتیں گزار چکی ہو۔ اس لئے میرا خاندان تمہیں کبھی قبول نہیں کر سکتا' میں بھی قبول نہیں کر سکتا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ریحان؟"

ریحان کی لائنیں ختم ہو چکی تھیں۔ اس نے "سوری رضوانہ" کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

رضوانہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔

جب حوالدار تاج دین' ریحان کو لے کر رخصت ہو گیا تو بوٹا رضوانہ کے کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔ "رونے کا کوئی فائدہ نہیں رضوانہ بی بی' دنیا میں یہی ہوتا ہے۔"

"آپ نے تو کہا تھا کہ آپ ہماری شادی کروادیں گے۔" رضوانہ روتے ہوئے بولی "میں اسی لئے یہاں رک گئی تھی۔ اب گھر جانا بھی مشکل ہو گا۔"

"میں آج تمہارے باپ سے ملا تھا۔ وہ سخت غصے میں ہے۔ تمہارا گلا گھونٹنے کی بات کر رہا تھا۔ میرے سمجھانے پر وہ تمہیں صرف ایک دن کے لئے گھر میں رکھنے پر راضی ہوا ہے۔"

"صرف ایک دن! اس کے بعد کیا ہو گا؟"

"وہ چاہتا ہے کہ اسی دن تمہاری شادی کر کے تمہیں رخصت کر دے۔ خواہ کسی کانے گنجے یا لولے لنگڑے سے کرنی پڑے۔"

"اس سے تو اچھا ہے میں زہر کھا لوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں نے تمہارے باپ کے سامنے ہاں کر دی ہے۔ میں تم سے شادی پر تیار ہوں۔"

رضوانہ نے حیرت سے بوٹے کی طرف دیکھا۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ کیا میں اتنی گر چکی ہوں کہ تم جیسے ان پڑھ اوباش کے ساتھ شادی کر لوں۔ تم سے تو منور علی ہزار درجے اچھا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہ بول سکی۔ جس شخص کی خاطر اس نے وہ ساری ذلت گوارا کی تھی وہ اسے بھنور میں چھوڑ کر الگ ہو گیا تھا!

○☆○

مولوی غلام رسول نے بوٹے کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا' اس کے لئے چائے بنوائی اور ایک ہزار روپے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"بوٹے خان' بڑی مشکل سے صرف ایک ہزار روپے کا انتظام ہو سکا ہے۔" اس نے کہا۔ "یہ ملا کر آٹھ ہزار ہو جائیں گے۔ باقی رقم کے لئے تمہیں کم از کم ایک مہینہ انتظار کرنا پڑے گا۔"

بوٹے نے رقم جیب میں رکھ لی اور کچھ دیر تک خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ اس نے نیا شلوار سوٹ' سفید پشاوری چپل اور عمدہ کوالٹی کی قراقلی ٹوپی پہن رکھی تھی۔

مولوی اب اسے عزت سے ڈرائنگ روم میں بٹھاتا تھا اور وہ بھی مولوی کو عزت سے مخاطب کرتا تھا۔

"مولوی صاحب' پیسے تو مل ہی جائیں گے۔" بوٹے نے کہا۔ "میں ایک دوسرے کام سے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"کون سا کام؟"

"اگلے مہینے میری شادی ہو رہی ہے۔ نکاح آپ نے پڑھانا ہے۔ پانچ تاریخ کو مغرب کی نماز کے بعد آپ تیار رہیں۔ میرا آدمی آپ کو لینے آجائے گا۔"

مولوی نے بھویں سکیڑیں۔ "تمہیں کس نے رشتہ دے دیا؟"

"واہ مولوی صاحب' مذاق کر رہے ہیں میرے ساتھ؟ مجھے کون انکار کر سکتا ہے! اگر میں آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگتا تو آپ بھی انکار نہ کر سکتے۔ میں عزت دار آدمی ہوں۔ ویسے عزت دار تو آپ بھی ہیں۔" اس نے آنکھ ماری۔ "آپ کی دوسری شادی کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوئے' آہستہ بول' آہستہ" مولوی جھینپ کر بولا "تیری بھابی نے سن لیا تو میری شامت آجائے گی۔ تیرے جاتے ہی وہ میری داڑھی پکڑ لے گی۔"

"او چھوڑو جی مولوی صاحب' شرع میں کیا شرم۔ آپ ابھی بانکے چھبیلے جوان آدمی ہیں۔ داڑھی کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا۔ ایک انیس سال کی لڑکی ہے میری نظر میں۔ غریب لوگ ہیں۔ راضی ہو جائیں گے۔ بات چلاؤں؟"

مولوی نے اندرونی دروازے کی طرف دیکھا اور بوٹے کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "یہ بات پھر کبھی کریں گے۔ تم اپنی بات کرو' کون سی تاریخ بتائی' پانچ؟"

"پانچ تاریخ' مغرب کے بعد" بوٹے نے کہا۔ پھر تامل کرتے ہوئے بولا۔ "ویسے بات تو ساری طے ہو چکی ہے۔ لڑکی کے ماں باپ بالکل راضی ہیں لیکن لڑکی ذرا اڑی کر رہی ہے۔ کوئی عشق وشق کا چکر ہے۔ اگر وہ کوئی الٹی سیدھی بات کرے تو آپ کان لپیٹ لیں اور ہاں' باقی پیسوں میں سے ہزار روپے فیس کے کاٹ لیں۔"
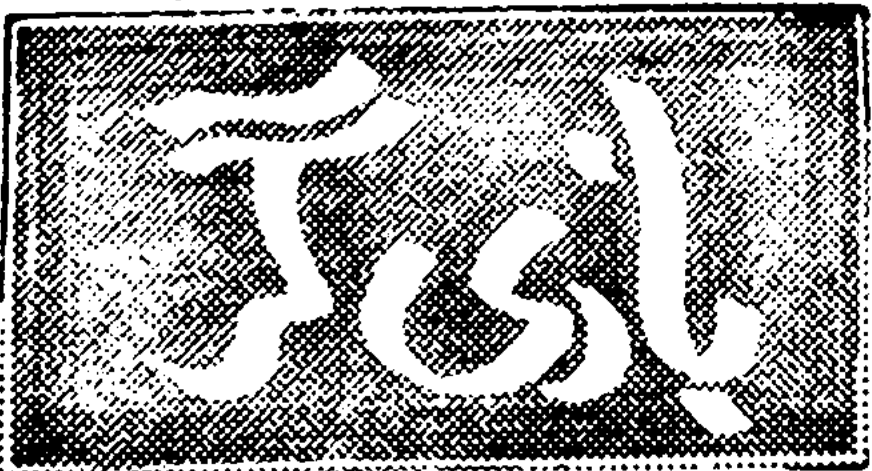
"فکر نہیں کرو" مولوی نے خوش ہو کر کہا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آج کل عشق کی بیماری بہت عام ہو گئی ہے۔"

بوٹا چائے پی کر رخصت ہو گیا۔

○☆○

پانچ تاریخ کی صبح رضوانہ کو گھر پہنچا دیا گیا۔ اس کے ہمراہ تاج دین کی بیوی اور چند دوسری عورتیں تھیں۔ جنہیں... "حفاظت" کے لئے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ کم از کم رضوانہ کو یہی یقین دلایا گیا تھا کہ اس کا باپ سخت اشتعال میں تھا اور جوش میں کوئی انتہائی قدم بھی اٹھا سکتا تھا اس لئے ان عورتوں کا اس کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔ تاہم بوٹے کا اصل مقصد یہ تھا کہ باپ بیٹی کے درمیان مفاہمت نہ ہونے پائے۔

اختر حسین غصے میں ہونے کے باوجود بیٹی سے محبت کرتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ رضوانہ اس کے پاس آکر اپنی غلطی کی معافی مانگے۔ وہ دن بھر بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ مگر محافظ عورتوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی رضوانہ کو ادھر سے ادھر نہ ہونے دیا۔

رضوانہ سارا وقت یہی سوچتی رہی کہ کاش اس کا باپ ایک دفعہ آکر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دے۔ پھر وہ اس کے پاؤں پکڑ لے گی اور چیخ چیخ کر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی کہانی اسے سنا دے گی۔ مگر ایسی نوبت نہ آسکی۔ باپ اپنے کمرے میں انتظار کرتا رہا اور بیٹی اپنے کمرے میں انتظار کرتی رہی۔

بالآخر بوٹا مختصر بارات لے کر پہنچ گیا اور مولوی غلام رسول نے نکاح پڑھا دیا۔

حسین و جمیل رضوانہ ایک ان پڑھ لوہار کی بیوی بن گئی۔

○☆○

ریحان کو جب اس شادی کا پتا چلا تو وہ سمجھ گیا کہ تاج دین حوالدار نے اس کے ساتھ زبردست دھوکا کیا تھا۔ اس نے خود پر لعن طعن کی اور کئی روز تک بوٹے کے گھر کے چکر لگاتا رہا۔ وہ کسی طرح رضوانہ کو اصل حقیقت بتانا چاہتا تھا لیکن اسے موقع نہیں مل رہا تھا۔ بوٹے نے اپنے گھر کی دیواریں اونچی کروا دی تھیں اور اس کی ڈیوڑھی میں کوئی نہ کوئی آدمی ہر وقت موجود رہتا تھا۔

ادھر سے مایوس ہو کر ریحان نے بوٹے کے معمولات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک روز اسے پتا چلا کہ بوٹا دو روز کے لئے شہر سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

وہ چھپ کر بوٹے کے مکان کی نگرانی کرتا رہا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے ڈیوڑھی کی بتیاں بجھ گئیں۔ ریحان نے مزید نصف گھنٹا انتظار کیا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ ڈیوڑھی میں موجود دونوں بدمعاش سو گئے ہوں گے تو وہ بغلی گلی میں پہنچا، تھیلے سے کمند نکال کر دیوار پر ڈالی اور نہایت تیزی سے مکان کے اندر پہنچ گیا۔ مختصر صحن کے داہنی طرف باورچی خانہ اور سامنے دو دروازے نظر آرہے تھے۔ دروازے نئے اور مضبوط تھے۔ دیواروں پر بھی نیا رنگ و روغن کیا گیا تھا۔

ریحان نے اندازے سے ایک دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور دھیمی آواز میں کہا۔ "رضوانہ، دروازہ کھولو۔ میں ریحان ہوں۔ دروازہ کھولو..."

تین منٹ کے بعد اندر سے چارپائی چرچرانے اور پھر چلنے کی آواز سنائی دی جو دروازے کے قریب پہنچ کر تھم گئی۔

"رضوانہ، یہ میں ہوں ریحان... دروازہ کھولو۔"

دروازہ کھل گیا اور رضوانہ تاریکی میں آنکھیں پھیلا کر ریحان کو گھورنے لگی۔ اس کے چہرے پر غصہ بھی تھا اور حیرت بھی "تم اندر کیسے آئے ہو؟ کیا ڈیوڑھی میں کوئی نہیں ہے؟"

"آہستہ بولو" ریحان نے اندر داخل ہو کر دروازے کو کنڈی لگا دی "ڈیوڑھی والے بدمعاش سو رہے ہیں۔ میں دیوار پھاند کر اندر گھسا ہوں۔"

"میری بربادی کا تماشا دیکھنے آئے ہو؟" رضوانہ نے سرسراتی آواز میں کہا۔ "یا یہ دیکھنے آئے ہو کہ اوباش لوگوں کے ساتھ میری راتیں کیسے گزر رہی ہیں؟"

"رضوانہ، وہ میرے الفاظ نہیں تھے۔ مجھے وہ الفاظ کہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ مجھے قتل کی دھمکی دی گئی تھی۔" ریحان نے اپنے مؤقف میں زور پیدا کرنے کے لئے جھوٹ بولا "پولیس نے کہا تھا کہ اگر میں نے ان کی مرضی کے مطابق بات نہ کی تو وہ مجھے جعلی پولیس مقابلے میں قتل کر دیں گے۔ اور تمہیں کسی بردہ فروش کے حوالے کر دیں گے۔ میں نے اپنی جان اور تمہاری عزت بچانے کے لئے وہ باتیں کی تھیں۔"

"اب کیا فائدہ! تمہاری جان بچ گئی اور میں جہنم میں پڑ گئی۔"

"مم.... میں تمہیں پانے کے لئے بوٹے کو قتل کر دوں گا۔"

رضوانہ کو عامل کی بات یاد آگئی، بولی "ریحان دس سال تک کچھ نہیں ہوگا۔ ایک عامل نے مجھے بتایا تھا کہ آنے والے دس سال مجھ پر بہت بھاری ہوں گے۔ اس لئے خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔"

"رضوانہ، میں ساری زندگی تمہارا انتظار کر سکتا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی" رضوانہ اداس ہو گئی "اگر میں اس درندے کی قید سے آزاد ہو گئی تو تمہارے پاس آجاؤں گی۔ تم کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی کر لینا۔ میں خادمہ بن کر تمہارے گھر میں زندگی کے بقیہ دن گزار لوں گی۔"

ریحان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ بولا "نہیں رضوانہ، اب میں شادی نہیں کروں گا، صرف تمہارا انتظار کروں گا۔"

"اب تم جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ڈیوڑھی والے جاگ جائیں۔"

”بوٹا کہاں گیا ہے؟“
”کسی کو قتل کرنے گیا ہے۔“
”قتل کرنے!“
”رانا صاحب نے اسے اپنے کسی سیاسی حریف کے قتل کے لئے بھیجا ہے۔ میں نے چھپ کر اس کی گفتگو سن لی تھی۔“
”اس علاقے میں بھی اس نے بڑی دہشت پھیلا رکھی ہے“ ریحان نے کہا ”دکانداروں سے بھتا وصول کرتا ہے اور جس کا چاہے گریبان پکڑ لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن کوئی شخص اسے قتل کر دے گا۔“
”یہ صرف تمہاری خواہش ہے۔ بوٹا اتنی آسانی سے قتل نہیں ہوگا۔ میں کئی روز سے ایک عجیب بات سوچ رہی ہوں۔“
”کون سی عجیب بات؟“
”بوٹا اپنی کہانیاں مجھے سناتا رہتا ہے۔ پہلے میں سوچا کرتی تھی کہ قدرت اس قسم کے شیطانوں کو جلدی کیوں نہیں پکڑتی؟ اور مجھے اس بات کا جواب نہیں ملتا تھا۔ لیکن اب اس کا جواب مجھے مل گیا ہے۔“ اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ”بوٹے کی کہانیوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شیطان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو انسان کو ورغلاتے اور برائی پر اکساتے ہیں۔ دوسرے وہ جو شرافت کے لبادے میں برائیاں کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں۔ بوٹا دوسری قسم کے شیطانوں میں سے ہے۔ اس نے آج تک جتنے لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے ان کے اندر کوئی نہ کوئی برائی ضرور موجود تھی۔ مثلاً ہماری مثال لے لو۔“
”ہم نے کیا برائی کی ہے؟“
”کیا گھر سے بھاگ جانا اور ماں باپ کو تکلیف پہنچانا معمولی برائی ہے؟ میرے ابو، منور علی سے میری شادی کرنا چاہتے تھے۔ میں نے ان کی بات نہیں مانی اور گھر سے نکل آئی۔ قدرت نے مجھے اس شیطان کے حوالے کر دیا جو منور علی کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہے۔“
ریحان نے گہرا سانس لیا، بولا ”شاید!“
کچھ دیر تک اس تاریک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ دونوں ایک دوسرے کے سانسوں کی آواز سن سکتے تھے۔
ریحان کا وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کی نظر تاریکی سے مانوس ہو چکی تھی۔ وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ رضوانہ کے عقب میں اسے ایک ہیولا سا دکھائی دیا۔
”وہ کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔
رضوانہ نے سر گھما کر ہیولے کی طرف دیکھا، بولی ”یہ ہارڈ ورڈ کا بنا ہوا پتلا ہے۔ بوٹا اس کو اپنی خوش قسمتی کی علامت سمجھتا ہے۔ یہ اسے رانا صاحب نے دیا ہے۔ رانا صاحب کو یک آرٹسٹ نے دیا تھا۔“
ریحان اٹھ کر شیلف کے قریب گیا اور ہارڈ بورڈ کے بنے ہوئے ڈیڑھ فٹ اونچے اس پتلے کو دیکھنے لگا جس کے نیچے سات انچ لمبا، ساڑھے تین انچ چوڑا اور دو انچ اونچا ڈبا سا بنا ہوا تھا۔ وہ ڈبا خاصا وزنی تھا اور ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا لگتا تھا۔ ریحان باریکی سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اس کی پچھلی طرف کی پٹی انگلیوں کے دباؤ سے تھوڑی سی سرک گئی۔ ریحان نے مزید دباؤ ڈالا تو وہ پٹی سرکتی چلی گئی۔
”اوہ، یہ تو کوئی آلۂ سماعت ہے!“ ریحان نے چونک کر کہا۔ ”غالباً واکی ٹاکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ رانا صاحب اس واکی ٹاکی کے ذریعے بوٹے سے رابطہ قائم کرتے ہوں گے۔“
”میرا بھی یہی خیال ہے“ رضوانہ نے کہا۔ ”صفائی کے دوران ایک دو دفعہ مجھے یہ پتلا ہلکا محسوس ہوا تھا لیکن میں نے اسے اپنا وہم سمجھا تھا۔ غالباً بوٹا اسے ضرورت کے وقت نکال کر جیب میں رکھ لیتا ہے۔ تو یہ ہے اس کی خوش قسمتی کی علامت!“
ریحان نے واکی ٹاکی کا جائزہ لینے کے بعد اسے واپس ڈبے میں بند کر دیا۔
”اب تم جاؤ“ رضوانہ نے کہا ”تمہاری موجودگی سے مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے اور دوبارہ اس طرح مت آنا۔“
ریحان کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ وہاں رک نہیں سکتا تھا، اسے بالآخر جانا ہی تھا۔ رضوانہ ایک خطرناک شیطان کی بیوی تھی اور وہ اس شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

○☆○

وقت کے ساتھ ساتھ بوٹے کی طاقت، دولت اور درندگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔
رضوانہ خاموشی سے اس کے ساتھ وقت گزارتی رہی۔ وہ

ملک میں بڑھتی ہوئی گرانی روکنے کے لئے آپ کے پاس کیا پروگرام ہے؟
”کچھ نہیں!“ چوہدری صاحب نے اطمینان سے کہا۔
”میں حیران ہوں کہ لوگ گرانی کی شکایت کرتے ہیں اور اسے روکنے کی کوشش کرنے سے باز نہیں آتے۔ سیدھی سی بات ہے کہ آپ جس چیز کو روکنے کی جتنی کوشش کریں گے وہ بھلا کبھی رک سکتی ہے۔ ہرگز نہیں! اسے چھوڑ دیجئے! اسے بڑھنے دیجئے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے یہ آپ کے ملک سے باہر نکل جائے۔

اثر نعمانی کی کتاب ”الّو کی دُم“ سے اقتباس

☆☆☆○☆☆☆

بھی غیر شعوری طور پر انتظار کررہی تھی۔ کسی اچھے اور موزوں وقت کا انتظار۔ اس نے بچپن میں ایک حکایت پڑھی تھی۔ ایک شخص کنوئیں میں گر گیا اور مدد کے لئے چلانے لگا۔ ایک دوسرا شخص وہاں پہنچا اور کنوئیں میں گرے ہوئے شخص کو اوپر سے پتھر مارنے شروع کردیے۔ اندر والے نے کہا 'عجیب آدمی ہو تم میں مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں اور تم مجھے پتھر مار رہے ہو' اوپر والے نے کہا 'تم نے فلاں فلاں وقت مجھ پر ظلم کیا تھا۔ لیکن چونکہ میں کمزور تھا اس لئے بدلہ نہ لے سکا۔ آج قدرت نے تمہیں کمزور کردیا ہے اور مجھے بدلہ لینے کا موقع مل گیا ہے۔'

رضوانہ بھی کسی ایسے ہی موقع کا انتظار کررہی تھی۔ شادی کے نویں سال بوٹے نے رضوانہ سے کہا "رجو' میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟" رضوانہ نے جاننا چاہا۔

"مجھے اولاد چاہئے۔ ہماری شادی کو نو سال ہو چکے ہیں مگر ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"

رضوانہ 'بوٹے کے بچوں کی ماں نہیں بننا چاہتی تھی اس لئے وہ درپردہ احتیاطی تدابیر اختیار کرتی آرہی تھی۔

"تم نے اگر دوسری شادی کا فیصلہ کرلیا ہے تو میں تمہیں روک نہیں سکتی۔" رضوانہ نے کہا "مگر میری ایک خواہش ہے۔ شادی سے پہلے مجھے الگ مکان لے دو اور وہ مکان میرے نام ہونا چاہئے۔"

"کیوں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ دوسری شادی کے بعد آدمی کو پہلی بیوی چبھنے لگتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ سوکنوں میں ہر وقت تو تو میں میں ہوتی رہتی ہے جس سے آدمی کا سکون برباد ہوتا ہے۔ اس لئے اگر تم مجھے مکان لے دوگے تو تمہارا بھی بھلا ہوگا"

"تمہاری یہ دوسری بات کچھ صحیح معلوم ہوتی ہے" بوٹے نے کہا "میں دو چار دن کے اندر اندر تمہارے لئے کوئی مکان دیکھ لیتا ہوں۔"

ایک مہینے کے اندر بوٹے نے رضوانہ کے نام پر پانچ کمرے کا ایک خوبصورت مکان خرید لیا۔

اپنے مکان میں منتقل ہونے کے بعد رضوانہ نے خود اعتمادی اور طاقت محسوس کی۔

مکان سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ مکان اور مسجد کے درمیان ایک باغیچہ تھا۔

ایک روز رضوانہ کھڑکی کے سامنے کھڑی باغیچے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک سفید ریش شخص کو مسجد سے نکلتے دیکھا۔ وہ ایک پیر سے معذور تھا اور بیساکھیوں کے سہارے چل رہا تھا۔ رضوانہ کو اس کا چہرہ مانوس سا لگا لیکن یہ یاد نہ آیا کہ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

وہ صدا لگاتا ہوا ایک طرف روانہ ہوگیا۔ اتنے فاصلے سے رضوانہ اس کا منہ چلتا ہوا دیکھ سکتی تھی مگر آواز نہیں سن سکتی تھی۔ وہ سات روز تک کھڑکی سے اس شخص کو دیکھتی رہی۔ ساتویں روز اس نے اسے پہچان لیا اور نیرنگیٔ زمانہ پر دنگ رہ گئی۔

وہ عالم گجر تھا۔ اپنے وقت کا چھٹا ہوا بدمعاش! رضوانہ کو وہ رات اچھی طرح یاد تھی جب وہ شراب کا جام ہاتھ میں پکڑے بری نیت سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آج وہ سڑک پر بھیک مانگ رہا تھا۔ قدرت کا انتقام بھی عجیب ہوتا ہے۔

آٹھویں روز رضوانہ چادر اوڑھ کے باغیچے میں سے ہوتی ہوئی آگے بڑھی اور مسجد کے دروازے کے سامنے لگی ہوئی باڑھ کی اوٹ میں جا ٹھہری۔ کچھ دیر بعد عالم گجر بیساکھیاں ٹیکتا ہوا باہر نکلا اور یہ صدا لگائی۔ "بھائیو! جس کا مجھ پر قرض نکلتا ہو وہ مانگ لے۔ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔"

یہ صدا لگاتا ہوا وہ ایک طرف چل پڑا۔

رضوانہ اس کے پیچھے چلنے لگی۔ جب وہ ایک نسبتاً سنسان جگہ پر پہنچا تو رضوانہ نے پیچھے سے کہا۔ "عالم گجر! تم نے میرا قرضہ ادا کرنا ہے۔"

عالم گجر رک گیا اور مڑ کر رضوانہ کو دیکھنے لگا۔ بولا "بی بی' میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔ مجھ پر تمہارا کتنا قرضہ واجب ہے؟"

"عالم گجر! وہ رات یاد کرو جب تم شراب کا جام ہاتھ میں پکڑے ایک سہمی ہوئی لڑکی کی طرف بری نیت سے بڑھ رہے تھے اور عین وقت پر ایک دوسرا شیطان وہاں آنکلا تھا۔ جس نے تمہاری ٹانگ کی ہڈی توڑ دی تھی کچھ یاد آیا؟"

عالم گجر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' بولا "ہاں بی بی' سب کچھ یاد آگیا۔ میں وہ رات زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ پر میں نے تم سے کوئی قرضہ نہیں لیا تھا۔ نہ تمہاری کسی چیز کو ہاتھ لگایا تھا۔"

"تم نے میرا بہت بڑا قرضہ ادا کرنا ہے۔ تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہوئی۔ بوٹا لوہار مجھے اپنے ٹھکانے پر لے گیا اور پولیس سے ساز باز کرکے میرے ساتھ شادی کرلی۔ میں نو سال سے اس کی قید میں ہوں۔ اگر تمہارے آدمی مجھے نہ پکڑتے تو میں کسی شریف آدمی سے شادی کرکے عزت کی زندگی گزار رہی ہوتی۔ یہ ہے میرا تم پر قرض۔ اگر اپنی صدا میں سچے ہو تو میرا قرض ادا کرو۔"

عالم گجر نے سر جھکا لیا' بولا "یہ قرض ادا کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ میں تمہاری زندگی کے نو سال واپس نہیں کرسکتا۔"

"تم کرسکتے ہو۔" رضوانہ نے کہا "میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تم یہ قرض کس طرح ادا کرسکتے ہو۔"

وہ اسے باغیچے کے ایک تنہا گوشے میں لے گئی اور قرضہ ادا کرنے کا طریقہ سمجھانے لگی۔

عالم گجر نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی' پھر بولا " کیا تم ایک معذور آدمی سے مذاق کر رہی ہو؟"

"عالم گجر بعض قرضے ذرا مشکل سے ادا ہوتے ہیں۔ اس کے لئے انسان کو اپنی جان پر کھیلنا پڑتا ہے۔"

عالم گجر کچھ دیر سر جھکائے کھڑا رہا' پھر اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پائی جاتی تھی۔

"ٹھیک ہے بی بی" اس نے پُر یقین لہجے میں کہا "جو کچھ تم نے کہا ہے ویسا ہی ہوگا۔"

○☆○

بوٹے لوہار نے بہت عرصہ پہلے رضوانہ کی نگرانی ختم کر دی تھی اور اب دوسری شادی کے فیصلے کے بعد بے اعتنائی بھی برتنا شروع کر دی تھی۔

اس رات جب وہ گھر آیا تو رضوانہ نے بڑی سادگی سے کہا۔

"بوٹے' مجھے طلاق دے دو۔"

بوٹا واسکٹ اتارتے اتارتے رک گیا' پوچھا "مذاق کر رہی ہو؟"

"نہیں۔ میں سنجیدہ ہوں۔ میں تمہاری نظروں سے اتر چکی ہوں اسی لئے تم دوسری شادی کرنا چاہتے ہو۔"

بوٹے نے واسکٹ اتار کر ایک طرف پھینکی' بولا۔ "تمہیں یہ شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیوں کہ تم نے پہلے ہی دن مجھے اپنی نظروں سے اتار دیا تھا۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کہا "ویسے یہ تمہارا وہم ہے کہ تم میری نظروں سے اتر چکی ہو۔"

رضوانہ نے خاموشی سے کھانا لگا دیا۔

کھانے کے بعد وہ الماری سے بوتل اور جام نکال لائی۔ بوٹا حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا کیوں کہ رضوانہ نے کبھی شراب کی بوتل کو ہاتھ نہیں لگایا تھا بلکہ وہ اس کی شراب نوشی کے دوران کمرے سے اٹھ جاتی تھی۔

"آج تمہاری باتیں مجھے حیران کر رہی ہیں۔" بوٹے نے کہا۔

"آج میں بہت خوش ہوں" رضوانہ نے کہا۔ "اس لئے خوش ہوں کہ تم نے مجھے طلاق نہیں دی۔ آج میں تمہیں اپنے ہاتھ سے پلاؤں گی۔"

یہ سن کر بوٹا کھل اٹھا اور رضوانہ کے ہاتھ سے جام لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ رضوانہ پلاتی رہی اور وہ پیتا رہا۔

○☆○

رات کے بارہ بجے جب بوٹا شراب کے نشے میں مست پڑا سو رہا تھا' صحن کا دروازہ کھلا اور پختہ فرش پر بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔ عالم گجر نو سال پرانا قرضہ چکانے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کی وزنی راڈ تھی۔

رضوانہ نے بوٹے کے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور صحن کا دروازہ بند کر کے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

عالم گجر' بوٹے کے کمرے میں داخل ہوا اور بیساکھیاں ایک طرف رکھ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک مضبوط ڈوری نکالی اور اسے تین مرتبہ بوٹے کے سینے پر سے گزار کر پلنگ کے نیچے باندھ دیا۔ پھر اس نے دو انچ چوڑی ٹیپ نکالی اور اسے نہایت احتیاط کے ساتھ بوٹے کے منہ پر چپکا دیا۔

بوٹا تھوڑا سا کسمسایا مگر نشے کی وجہ سے مست پڑا رہا۔ عالم گجر نے دوسرے پلنگ پر رکھا ہوا گاؤ تکیہ اٹھایا اور اسے احتیاط کے ساتھ بوٹے کے پیروں کے نیچے رکھ دیا۔ یہ سارا کام اس نے گھسٹ گھسٹ کر کیا تھا۔ پھر وہ بستر کا سہارا لیتے ہوئے اس کرسی پر بیٹھ گیا جو ٹانگوں والی سائیڈ پر رکھی تھی۔ اس نے راڈ اٹھالی۔ اس کے چہرے پر سرشاری کی سی کیفیت تھی۔ اسے وہ رات اچھی طرح یاد تھی جب بوٹا اس کے پیر صوفے پر ٹکا کر اس کی ٹانگوں پر اپنے پورے وزن کے ساتھ جا پڑا تھا۔

اس نے چار کلو وزنی راڈ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر سر سے بلند کی اور پوری قوت سے بوٹے کی ٹانگوں پر وار کیا۔ چوٹ پڑتے ہی بوٹے کا سارا نشہ ہرن ہو گیا اور اس نے اٹھنے اور چیخنے کی کوشش کی مگر دونوں کاموں میں ناکام رہا۔ ڈوری کی وجہ سے اٹھ نہ سکا اور ٹیپ کی وجہ سے چیخ نہ سکا۔ اس اثنا میں عالم گجر نصف درجن وار کر چکا تھا اور مسلسل وار کر رہا تھا۔ ہر وار کے ساتھ بوٹے کے جسم کو شدید جھٹکا لگتا۔

"بوٹے' آج میں نو سال پرانا قرضہ چکانے آیا ہوں۔" عالم گجر کہہ رہا تھا۔ "آج کے بعد تو بھی اپنے پیروں پر نہیں چل سکے گا۔" بوٹا پوری قوت سے اوپر کی طرف اچھلا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سینے کے گرد بندھی ہوئی ڈوری ٹوٹ گئی اور اس نے اپنے منہ پر لگی ہوئی ٹیپ کھرچ کر اتار پھینکی اور چیختا کراہتا ہوا

عالم گجر کی طرف سرکنے لگا۔ اس کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں اور ہر حرکت کے ساتھ اس کے بدن سے شدید ٹیسیں اٹھنے لگتی تھیں۔

عالم گجر کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بیساکھیاں بغلوں میں دبائیں اور جانے لگا۔ لیکن بوٹے نے ہاتھ بڑھا کر اس کی بیساکھی چھین لی۔ عالم گجر لڑکھڑاتا ہوا بستر پر گرا۔ بوٹے نے اپنے فولادی ہاتھوں میں اس کا گلا دبوچ لیا اور اپنی گرفت سخت سے سخت کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ عالم گجر کی آنکھیں باہر ابل پڑیں۔

شور کی آواز سن کر جب پڑوسی وہاں پہنچے تو انہوں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ بوٹا بے ہوش ہو چکا تھا مگر اس کے ہاتھ بدستور عالم گجر کے گلے پر تھے اور عالم گجر دم توڑ چکا تھا۔

○☆○

چھ ماہ اسپتال میں زیرِ علاج رہنے کے بعد جب بوٹا لوہار گھر پہنچا تو وہ ایک ادھورا انسان تھا۔ وہ وھیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ دی تھیں اور اس کا جسم انتہائی لاغر ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ وہ یوں در و دیوار کو دیکھ رہا تھا جیسے اس نے پہلی بار دنیا کو دیکھا ہو۔

جب اسپتال کا عملہ ایمبولینس میں بیٹھ کر واپس چلا گیا تو رضوانہ نے کہا۔ "بوٹے، مجھے طلاق چاہیے۔"

بوٹا اپنی ویران آنکھیں اٹھا کر رضوانہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر دنیا جہان کا کرب سمٹ آیا تھا۔ ایک طویل توقف کے بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "رجو، میرا تیرے سوا اور کوئی نہیں۔ اس حال میں مجھے بے سہارا نہ کر۔"

"میں تمہارے ساتھ ایک ہمدردی کر سکتی ہوں۔ تمہیں گھر سے نہیں نکالوں گی۔ ادھر پچھلے کمرے میں پڑے رہنا۔ تمہیں تین وقت کی روٹی ملتی رہے گی لیکن اگر تم مجھے طلاق نہیں دو گے تو میں تمہیں کسی درگاہ پر چھوڑ آؤں گی۔ وہاں تمہارے جیسے بے شمار لولے لنگڑے پڑے رہتے ہیں۔"

بوٹے کے کانوں میں جھورے کی کہی ہوئی باتیں گونجنے لگیں۔

"استاد، یہ عورت تمہیں نچا دے گی۔ خوبصورت عورت نشے کی طرح ہوتی ہے، جو آرام کم اور تکلیف زیادہ دیتی ہے....."

پھر اسے اس خوفناک رات کی باتیں یاد آنے لگیں جب عالم گجر نے اس کی ٹانگیں توڑی تھیں۔ رضوانہ نے اس رات بھی طلاق کا مطالبہ کیا تھا اور اس کے انکار پر خوش ہوئی تھی۔ پھر اس نے اسے خوب شراب پلائی تھی.... اور پھر.... ٹانگوں پر پڑنے والی چوٹوں سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ سوال یہ تھا کہ وہ لنگڑا عالم گجر اس کے کمرے میں کیسے پہنچا تھا؟ کیا رضوانہ نے اس کی مدد کی تھی؟

"رجو، ایک بات تو بتا۔ بیساکھیوں پر چلنے والا لنگڑا آدمی نہ تو دیوار پھاند سکتا ہے اور نہ زبردستی گھر میں گھس سکتا ہے لیکن اس رات جب میری آنکھ کھلی تو وہ لنگڑا گجر کرسی پر بیٹھا ایسے میری ٹانگیں کوٹ رہا تھا جیسے لوہار لوہا کوٹتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ اندر کیسے گھسا تھا!"

"جب اتنی ساری باتیں تیری سمجھ میں آگئی ہیں تو یہ بھی سمجھ لے کہ دروازہ گھر کے کسی بھیدی نے کھولا ہوگا۔"

"رجو! کیا تم نے اس کے لئے دروازہ کھولا تھا؟"

"یہ بات تمہیں آئندہ معلوم ہو جائے گی۔ طلاق کے کاغذات کے بارے میں کل تک سوچ لو۔ کل شام تک طلاق کے کاغذات تیار ہو جائیں گے۔"

"تم مجھے اس مکان سے نہیں نکال سکتی۔"

"بوٹے، قدرت نے اب تمہیں میرے بس میں کر دیا ہے۔ میرے لئے تم ایک دھکے کی مار ہو۔ میں جب چاہوں تمہیں دھکا دے سکتی ہوں۔ یہ مکان میرے نام ہے۔"

انتہائی بے بسی کے باعث بوٹے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

○☆○

اگلی شام رضوانہ، بوٹے کی وھیل چیئر دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں لائی، جہاں تین خوش پوش افراد بیٹھے تھے۔ ان میں ایک وکیل، ایک ریحان اور ایک ریحان کا دوست تھا۔

رضوانہ نے وکیل سے کاغذات لے کر بوٹے کے سامنے رکھ دیے۔ "یہاں دستخط کر دو۔ یہ طلاق نامہ ہے۔"

بوٹے کے اندر پہلی سی سرکشی اور تیزی نہیں رہی تھی۔ اس نے رحم طلب نظروں سے ایک ایک چہرے کی طرف دیکھا، پھر بولا "اگر میں دستخط کرنے سے انکار کر دوں.... تو؟"

"تو پھر ہمیں خلع کے لئے عدالت میں جانا پڑے گا۔" وکیل نے کہا۔ "چند پیشیوں میں تمہارے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔"

ریحان نے کہا "بوٹے لوہار، تم نے رضوانہ کو دھوکے اور دھونس سے اپنی بیوی بنایا تھا۔ ایسی شادی پائیدار نہیں ہوا کرتی۔"

دستخط کیوں کرواتے ہو، مجھے زہر دے دو۔"

"طلاق مانگنا میرا حق ہے۔" رضوانہ نے کہا۔ "دستخط نہیں کرو گے تو میں عدالت کے ذریعے خلع لے کر تمہیں دھکا دے دوں گی۔ سمجھے! بوٹے لوہار۔ میں نے نو سال تک تمہارے ظلم برداشت کئے ہیں۔ اب تمہارا وقت ختم ہو چکا ہے۔ ظلم کی داستانیں زیادہ لمبی نہیں ہوا کرتیں۔ زمین پر وہی قائم رہتا ہے جو صبر کرتا ہے۔ تم زمین پر بہت اکڑ کر چلتے تھے، تم نے یہ نہ سوچا کہ جس خدا نے تمہیں چلنے کے لئے پیر دیے ہیں وہ تم سے پیر واپس بھی لے سکتا ہے۔" بوٹے نے اپنی ٹنڈ منڈ ٹانگوں کی طرف دیکھا اور طلاق نامے پر دستخط کر دیے۔